جاری کردہ
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ
# ترجمان القرآن

۱۹۹۴

مُدیر: خرم مُراد

ادارۂ ترجمان القرآن

# کیا آپ نے

## ایسی کتاب کا مطالعہ کیا ہے ؟

جس کی بدولت

- بہت سے منکرِ دین مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں۔
- جو دنیا کی بہت سی زبانوں میں چھپ رہی ہے۔
- جس کی کروڑوں جلدیں دنیا کے گوشے گوشے میں زیرِ مطالعہ ہیں۔

اپنے دین کی حقیقت جاننے کے لیے آپ بھی :

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تصنیف

# دینیات

کا مطالعہ کیجیے

جامع مگر مختصر اور عام فہم تشریحات سے آراستہ ایک ایمان افروز کتاب، جس سے عام اردو دان احباب سے لے کر تعلیم یافتہ حضرات بھی یکساں طور پر استفادہ کر سکتے ہیں۔

سکولوں اور کالجوں میں منظور شدہ ● ہر بک سٹال سے دستیاب

صفحات : ۱۷۶ ● قیمت : -/30 روپے

زیر اہتمام

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اردو بازار، لاہور

ماہنامہ

# ترجمان القرآن

مدیر: خرم مراد

جلد ۲۰ | مارچ ۱۹۹۴ رمضان المبارک ۱۴۱۴ | عدد ۳

## فہرست مضامین

ے ادارتی امور: منصورہ' ملتان روڈ' لاہور ۵۴۵۷۰' فون نمبر ۸-۷۵۷۰۰۳۴۴ فیکس (۰۴۲) ۷۵۴۳۷۱۹

برائے انتظامی امور: رحمٰن مارکیٹ' اردو بازار' لاہور ۵۴۰۰۰' فون نمبر ۷۲۳۴۰۱۴-۷۲۳۶۶۶۵

پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳

---

زر سالانہ بذریعہ منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ ترجمان القرآن لاہور کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

کراس چیکس قابل وصول نہ ہوں گے۔

قیمت فی شمارہ -/۱۰ روپے ○ زر سالانہ: ۱۰۰ روپے (اندرون ملک)

عرب ممالک' خلیجی امارات و برصغیر: ۵۰۰ روپے یورپ: ۶۰۰ روپے امریکہ و آسٹریلیا: ۷۰۰ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز' لاہور سے چھپوا کر دفتر' ترجمان القرآن' اچھرہ' لاہور سے شائع کیا۔

ادارۂ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ اچھرہ لاہور (پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اشارات

## خرم مراد

قوموں اور جماعتوں کی قوت کا راز اور ان کی کامیابی کی نوید' ایمان کے بعد' سب سے بڑھ کر ان کی وحدت اور باہمی الفت میں پوشیدہ ہے۔

نصرتِ الٰہی اور فتحِ قریب کی بشارت انھی کو دی گئی ہے جو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ بتا دیا گیا ہے کہ اللہ کی تائید ایسی جماعت کے ذریعہ ہی آتی ہے جس کے دل اس نے باہمی الفت سے جوڑ دیے ہوں۔ یہ الفت صرف اسی کی دَین ہے' ورنہ دنیا بھر کے خزانے خرچ کر کے بھی نہیں خریدی جا سکتی۔ اس الفت ہی سے وہ قوت پیدا ہوتی ہے کہ ایک' دس پر غالب آتا ہے۔ آدمی اکیلا ہو تو بھاگنے کی سوچتا ہے' دو ہوں تو قدم جم جاتے ہیں' گیارہ ہوں تو فتح کا جھنڈا گاڑنے کے لیے آگے بڑھتے ہیں۔

ایک اور ایک بھی' پہلو بہ پہلو متحد ہوں تو "گیارہ بن سکتے ہیں' لیکن وہ ایک دوسرے کی نفی کرنے لگیں تو صفر بن کر رہ جاتے ہیں۔ اسی لیے وحدتِ ملی کی شدید تاکید فرمائی گئی ہے: "سب مل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑ لو' اور (دیکھو) گروہوں میں نہ بٹ جانا" (آل عمران ۳:۱۰۳)۔ اس کے فوراً بعد ہی' اہلِ ایمان کو افتراق کی لعنت سے باز رہنے کی تاکید کرتے ہوئے' بتایا کہ جو اللہ کے واضح احکامات کے باوجود اختلاف و افتراق کی راہ پر چل پڑے' ان کے لیے عذابِ عظیم ہے۔ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا' اور بے چارگی ان پر مسلط ہو گئی۔ اسی طرح' دشمنوں کے مقابلہ میں کامیابی کا راز یہ بتایا کہ "اللہ کو ہر وقت یاد رکھو . . . اور اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔" لیکن ناکامی کے راز پر سے بھی پردہ اٹھا دیا: "اور (دیکھو) آپس میں جھگڑا ہرگز نہ کرنا' ورنہ کم ہمتی پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی" (الانفال ۸:۴۵-۴۶)۔

وحدتِ ملی کے بارہ میں حضرت ہارونؑ کا اسوۂ حسنہ بھی دیکھیے۔ حضرت موسیٰؑ شریعت لینے

کے لیے کوہ طور پر تشریف لے گئے تو بنی اسرائیل کو ان کے سپرد کر گئے۔ وہ اللہ کے نبی تھے' اور خود حضرت موسیٰؑ کی درخواست پر ان کے وزیر اور شریک بنائے گئے تھے۔ ان کی حکمت و دانائی پر اعتماد تھا کہ وہ صلح صفائی قائم رکھیں گے اور فساد سے بچائیں گے (الاعراف ۷:۱۴۲)۔ حضرت موسیٰؑ کے جاتے ہی' سامری نے بنی اسرائیل کے لیے ایک سونے کا بچھڑا بنا دیا۔ صدیوں کی غلامی نے ان کے دلوں کو اپنے حاکموں کے خداؤں کی محبت سے لبریز کر دیا تھا اور وہ ان ہی کی مانند خداؤں کے لیے بے تاب تھے۔ چنانچہ وہ اس کی پرستش میں لگ گئے' ---- جس طرح آج کے سامریوں نے دوسروں کے خداؤں کی طرح' معاشی ترقی' دولت' نسل اور زبان کے نہ معلوم کتنے سنہرے بچھڑے بنا دیے ہیں جن کی پوجا پاٹ میں لگ کر خدائے واحد کے پرستار ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے ہیں ---- حضرت ہارونؑ نے صرف زبانی نصیحت پر اکتفا کیا "میرا کہا مانو' تم فتنہ میں پڑ گئے ہو ' تمہارا رب تو رحمٰن ہے۔" حضرت موسیٰؑ واپس آئے' تو حضرت ہارونؑ کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ لیے: "ہارون' تم نے جب دیکھا تھا کہ یہ لوگ گمراہ ہو رہے ہیں تو کس چیز نے تمہارا ہاتھ پکڑا تھا کہ تم نے میری بات پر عمل نہ کیا؟" حضرت ہارونؑ بولے: "اے میرے ماں جائے' میری داڑھی نہ پکڑ' نہ میرے سر کے بال کھینچ' مجھے یہ ڈر تھا کہ تم آکر کہو گے' تو نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا پاس نہ کیا" (طٰہٰ ۸۶ - ۹۴)۔

امتِ مسلمہ پر اللہ تعالیٰ نے جو احسانِ عظیم فرمایا ---- کہ افتراق و عداوت کی آگ سے بھرے ہوئے گڑھے سے بچا لیا' ان کے دل جوڑ دیے' اور ان کو بھائی بھائی بنا دیا ---- اس کے آثار آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ افتراق کے سارے مایوس کن' دل فگار' اور بعض صورتوں میں شرمناک مظاہروں کے باوجود' ایک ارب کی تعداد میں یہ امت اب بھی باہمی الفت و محبت' اخوت و غمگساری' اور تعاون و یگانگت کے لحاظ سے' مثالی نہ سہی' آج کے دور میں سب سے بہتر نمونہ ہے۔ اس میں نہ رنگ مانع ہے' نہ نسل' نہ زبان' نہ مادی مفاد۔ مغرب کے مسلمان کے پاؤں میں کانٹا چبھتا ہے تو مشرق کے مسلمان کے دل میں کسک محسوس ہوتی ہے۔ بوسنیا کے سفید رنگ مسلمان ظلم کا شکار ہوتے ہیں' تو ملائیشیا کا وزیر اعظم برطانوی وزیر اعظم کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر اسے جھاڑ دیتا ہے' پاکستان اپنے افلاس کے باوجود ان کے لیے اپنے خزانہ کا منہ کھول دیتا ہے' ایران کے شیعہ حکمراں ہر قسم کی مدد پہنچانے کے لیے کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ افغانستان میں روس در آتا ہے' تو دنیا بھر سے ہر نسل اور رنگ کے مسلمان اللہ کی راہ میں اپنا خون وہاں کی خاک میں جذب کرنے کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔

اسی لیے مشہور عالمی مورخ ٹوائن بی نے لکھا تھا کہ دنیا آج مسلمانوں سے کچھ سیکھ سکتی ہے' تو ان میں سرِفہرست' رنگ' نسل' زبان' زمین کے اختلاف کے باوجود' گئی گزری حالت میں بھی انسانی اخوت و یگانگت کی وہ بیش بہا نعمت ہے جو ان کے پاس ہے۔ لیکن مغرب کے لیڈر سیکھنے کے بجائے' ۱۴۰۰ سال کے انحطاط کے بعد جو کچھ اخوت و وحدت بچی کچھی رہ گئی ہے' اسے اپنے لیے سب سے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں' اس سے خوف کھاتے رہتے ہیں اور اسے بھی ختم کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ پان اسلام ازم کا ہوّا انھوں نے خود کھڑا کیا تاکہ مسلمانوں کو لخت لخت کرنے کا بہانہ ہاتھ آئے' اس بھیڑیئے کی طرح جس نے بھیڑ کے بچہ کو یہ کہہ کر ہڑپ کرلیا تھا کہ تم نہ سہی' تمہارے باپ نے میرا پانی گدلا کیا ہوگا۔ وطن اور دولت کے جن جدید خداؤں کی پرستش نے جسد مغرب کو پارہ پارہ کیا' اسی کا تیزاب حکمتِ مغرب برابر جسدِ ملی پر پھینک رہی ہے' تاکہ رسول ہاشمیؐ نے اپنی ملت کی شیرازہ بندی جس ترکیبِ خاص میں کی تھی وہ بکھر جائے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنے دور استعمار میں امت کو چھوٹے چھوٹے ملکوں میں تقسیم بھی کیا' ان کی روح اور سیاست میں قوم پرستی کا زہر بھی گھولا' زبان و نسل کے فتنوں کو بھی ہوا دی' ان کو اپنی زبانوں سے بھی محروم کیا' ان میں مذہبی فرقہ پرستی کی بھی پیٹھ ٹھونکی' ان کے درمیان اقلیتوں کو بھی اکسایا' ان کو معاشی ترقی کا چسکا بھی لگایا' اور ان کو باہم دست و گریباں بھی کیا۔ اور ان مقاصد کے لیے سیاسی' انتظامی' ثقافتی' فکری' تعلیمی سارے ذرائع اختیار کیے۔ یقین نہ آئے تو عرب قوم پرستی کی تاریخ پڑھ لیجیے' عرب و ترک آویزش کو یاد کرلیجیے' جس نے خلافت عثمانی کو بھی ختم کردیا اور عربوں کو بھی مغرب کی غلامی میں دے دیا۔

دانا آدمی کا یہ کام نہیں کہ وہ اپنی ہر مصیبت اور مرض کے لیے دشمنوں کو' اور ان کی سازشوں کو' الزام دے کر بیٹھ جائے۔ دشمن کو وہیں اپنی ریشہ دوانیوں میں کامیابی نصیب ہوتی ہے جہاں خود ہمارے اندر رخنے اور شگاف موجود ہوتے ہیں۔ ہمیں اللہ کو یاد رکھنے اور حبل اللہ کو مضبوط پکڑنے کا حکم اس لیے ہوا تھا کہ یہی ہمارے لیے وحدت کا اور تفرقہ و تنازعہ سے بچاؤ کا واحد نسخہ تھا۔ جب ہم اللہ سے غافل ہوگئے' اور حبل اللہ کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے' تو صدیوں کی غلامی ہمارا مقدر بن گئی۔ آج ہماری اپنی غفلت و خود فراموشی اور حکمتِ مغرب نے ہماری حالت یہ کردی ہے کہ جگہ جگہ امت اختلاف و افتراق اور خون ریزی کی آگ میں جل رہی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ وہ گروہ جو امت کو اپنا مشن پورا کرنے اور حبل اللہ کو مضبوط پکڑنے کی دعوت لے کر کھڑے ہوئے ہیں' وہ بھی اس آگ سے محفوظ نہیں ہیں۔

---

ایک طرف، جگہ جگہ مغرب کے "خلف الرشید" حکمراں اپنے ہی مسلمان عوام کے ساتھ برسرپیکار ہیں۔ کچھ اپنی ہوسِ اقتدار کی خاطر، کچھ مغربی تہذیب کے چھوڑے ہوئے آثار کی بقا کی خاطر، جن کا ایک حصہ وہ خود ہیں، جن پر ان کی کرسی بھی قائم ہے، اور جن پر انھیں ایمان بھی ہے۔ الجیریا ہے جہاں حکمرانوں اور عوام کے درمیان خانہ جنگی چھڑی ہوئی ہے۔ ہزاروں مسلمان مارے جاچکے ہیں، ہزاروں تعذیبی جیلوں میں بند ہیں، بیسیوں روزانہ قتل ہوتے ہیں، سیاسی نظام درہم برہم ہوچکا ہے، معیشت تباہی کے کنارہ آ لگی ہے۔ مصر ہے جہاں روز معرکے ہورہے ہیں، گولیاں اور بم چل رہے ہیں، مسلسل لوگ پھانسیوں پر لٹکائے جارہے ہیں۔ وہ ملک بھی ہیں جہاں اپنے ہی بے گناہ شہریوں پر بمباری کی گئی ہے، ان کا قتل عام ہوا ہے، بستیاں نقشہ سے مٹا دی گئی ہیں۔ اور وہ ملک تو بے شمار ہیں جہاں حکمرانوں سے اختلاف اور تنقید کے جرم میں لوگ معدوم کردیے جاتے ہیں، اور بعض کچھ زیادہ خوش قسمت ہوتے ہیں تو زندگی بھر سلاخوں کے پیچھے رہتے ہیں۔

یہ جنگ و جدل نہایت افسوس ناک ہے کہ اس میں امت کی بہترین قوتیں ضائع ہو رہی ہیں اور ملک کے ملک تباہ ہورہے ہیں۔ لیکن قابلِ فہم ہے کہ یہ مغربی تسلط کا تسلسل ہے اور مغرب کی طویل غلامی کا کڑوا کسیلا پھل۔ لیکن، دوسری طرف، جگہ جگہ خود مسلمان عوام ٹکڑے ٹکڑے ہوکر باہم دست بگریبان ہیں۔ کہیں عقیدہ و مسلک کے اختلاف کی بنا پر نزاع و افتراق ہے، کہیں سیاسی مفاد کی بنا پر، اور کہیں کہیں عصبیت کی بنا پر بھی۔

فرقہ واریت، ملت کے چہرہ پر ایک انتہائی بدنما شرم ناک داغ ہے۔ مسلمان، مسلمان کو کافر بنا رہے ہیں، منافق قرار دے رہے ہیں۔ مسجدیں الگ الگ کرلی ہیں۔ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ نمازیوں پر بم پھینکے جاتے ہیں اور فائرنگ کی جاتی ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات بھی ہو جاتے ہیں۔ اس سے صرف وحدت ہی نہیں ختم ہورہی، اسلام پر اعتماد بھی خطرہ میں پڑ رہا ہے۔ اگرچہ اب دوسری چیزیں ہیں جو مذہب سے بڑھ کر، اور مسٹر ہیں جو ملا سے بڑھ کر، فساد اور انتشار برپا کیے ہوئے ہیں، لیکن فرقہ واریت نے ایک ایسا بہانہ فراہم کردیا ہے جو سارے اسلام کو لپیٹ کر رکھ دینے کی مہم کے کام آرہا ہے۔

سیاسی اختلاف کے پیچھے، یا کہیے ہوسِ اقتدار کے پیچھے، جگہ جگہ سیاسی لیڈر پورے ملک کے استحکام، سلامتی اور ترقی کو داؤ پر لگارہے ہیں۔ ہمارا وطنِ عزیز اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔ ملک کو سنگین خطرات کا سامنا ہو یا اس کی سلامتی و ترقی کے ناگزیر تقاضے، بڑی بڑی سیاسی

جماعتیں ایک دوسرے کے ساتھ کسی مفاہمت کے لیے تیار نہیں ہیں۔ حکمراں ادارے اکھاڑے بنا دیے گئے ہیں' ایک دوسرے کے لیے غدار اور ملک دشمن کی گالیاں ہیں اور ٹانگیں توڑ دینے کی دھمکیاں۔ دین ملّا بھلا فساد کی اس انتہا کو کیسے چھو سکتا ہے۔ اس اختلاف نے ملک کو کتنا عظیم نقصان پہنچایا ہے۔ وہ دو ٹکڑے ہو چکا ہے' مسلسل عدم استحکام کا شکار ہے' دنیا میں عزت دو کوڑی کی ہو کر رہ گئی ہے' لوگ پوچھتے ہیں' کیا پاکستان بچے گا۔

کہیں عام لوگ باہم لڑ رہے ہیں' تو کہیں حکومتیں برسرپیکار ہیں۔ عراق و ایران کی جنگ' خلیجی جنگ' کُردوں کے خلاف عراق' ترکی اور ایران کی' اور اس سے پہلے یمن میں مصر کی' فوج کشی کوئی پرانی باتیں نہیں۔ لاکھوں مسلمانوں کے خون اور آبا بچی' اربوں ڈالر کے اسلحہ کی آتش بازی' اور ارب ہا ارب ڈالر کی قومی دولت کے ضیاع کے سوا ملت کو ان لڑائیوں سے اور کیا ملا۔ صرف خلیجی جنگ میں مسلمانوں کی ۶۸۰ ارب ڈالر کی دولت بھک سے اڑ گئی۔ تفرقہ و عداوت میں مسلمان ملک جس مقام پر پہنچ چکے ہیں' اس کی تصویر بالکل وہی ہے جو قرآن مجید نے بنی اسرائیل کے تذکرہ میں کچھ یوں کھینچی ہے:

> ذرا یاد کرو' جب ہم نے تم سے مضبوط عہد لیا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور نہ ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر کرنا... مگر آج وہی تم ہو کہ اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے ہو' اپنے ہی لوگوں کو بے گھر کردیتے ہو' اور ظلم و زیادتی کرنے کے لیے دشمنوں کی مدد سے ان پر چڑھائی کرتے ہو... کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان لاتے ہو' اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو (اپنے عمل سے)۔

اور سزا بھی وہی:

> تم میں سے جو لوگ ایسا کریں' ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں' اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں۔ (البقرہ ۲: ۸۴ - ۸۵)

سب سے زیادہ افسوس ناک اور رنج دہ پہلو یہ ہے کہ امت کی وہ جماعتیں جن کی شیرازہ بندی اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہوئی ہے' اور جو اس مقصد کے لیے جدوجہد اور جہاد کر رہی ہیں وہ بھی باہمی جنگ و جدل کی زد میں ہیں۔

افغانستان میں مجاہدین کے مختلف گروہوں کے درمیان خون ریز جنگیں' کابل میں تباہی و بربادی' اور ہمارے عام افغان بھائیوں کو پہنچنے والا دکھ درد' ایک ایسا المیہ ہے کہ دل غم ناک ہیں

اور گردنیں شرم سے جھکی ہوئی ہیں۔ جہادِ افغانستان' اس دور کے اندھیروں میں نور کی ایک کرن تھا' لیکن باہمی افتراق و انتشار نے اس کو تہ بہ تہ تاریکیوں سے ڈھانپ لیا ہے۔ ہزاروں ٹینک اور سینکڑوں ہوائی جہاز' جو افغانستان کو سب سے بڑی مسلمان فوجی طاقت بنا سکتے تھے' باہمی لڑائی میں پھونکے جا رہے ہیں۔ اسلامی حکومت کا خواب بکھرتا نظر آرہا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ کشمیر میں فتح نصیب ہوئی' تو کیا افغانستان جیسا حشر نہ ہوگا؟

اسلامی تحریکیں پہلے بھی باہمی افتراق کا شکار ہوتی رہی ہیں۔ آج بھی ہیں۔ مصر' الجیریا' شام' ملائیشیا وغیرہ میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ لیکن جماعتِ اسلامی پاکستان میں' ادھر چند برسوں سے نزاع و افتراق کی ایسی لہریں پیدا ہو رہی ہیں کہ اس کی سلامتی کے بارہ میں بھی دلوں میں تشویش پیدا ہو گئی ہے۔ حالانکہ اپنے مثالی نظم و ضبط اور وحدت و یگانگت ہی کی وجہ سے وہ ایک امتیازی شان کی حامل تھی۔

---

کسی قوم یا جماعت کے لیے اختلاف سے بچنا ممکن نہیں' اس لیے کہ انسانوں کے درمیان اختلاف ہونا ایک بالکل فطری امر ہے۔ لیکن اس سے بچنا بالکل ممکن ہے کہ اختلاف' افتراق و تنازع اور جنگ و جدل کی شکل اختیار کرلے۔ کیونکہ یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ وہ روش اختیار نہ کریں اور وہ کام نہ کریں جن سے اختلاف تنازع بنتا ہے' تنازع حل ہو کر نہیں دیتا' اور پھر افتراق و انتشار اور جنگ و جدل کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں اختلافات کے باوجود' ساتھ رہنے اور ساتھ کام کرنے کا سلیقہ آتا ہو' اور ان کو حل کرنے یا اپنے مقام پر رکھنے کا طریقہ بھی۔ اس بارہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہمیں واضح احکام اور ہدایات دی ہیں' لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ یہ احکام و ہدایت ہم جانتے بھی ہیں' زبان و قلم سے دہراتے بھی ہیں' مگر عمل کم کرتے ہیں۔

اختلاف' احکامِ الٰہی کے تعین میں بھی ہوسکتا ہے' تدابیر واشخاص کے بارہ میں بھی۔ حکمِ الٰہی کیا ہے' اس بارہ میں اختلاف بہ آسانی بناءِ نزاع و فرقہ بندی بن جاتا ہے۔ کیونکہ اپنے عمل و فہم کے مطابق جو حکمِ الٰہی ہو' اس کے مقابلہ میں دوسری یا متضاد رائے کو آدمی کیسے برداشت کرے۔ تدابیر و اشخاص کے بارہ میں بظاہر یہ صورت نہیں' اپنی رائے کا کسی حکمِ الٰہی کی مانند ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں تو جب آدمی اپنے خیال کے مطابق' احکامِ الٰہی کی بنیاد پر' یا ناگزیر اجتماعی مصالح کی خاطر' اختلاف کرتا ہے' تو وہ زیادہ سنگین بن جاتا ہے۔ بلکہ لڑائی کی

شکل اختیار کرلیتا ہے۔ جیسے باغیوں نے حضرت عثمانؓ کو نااہل قرار دے کر ان کو شہید کر دیا' خوارج نے حضرت علیؓ کی تکفیر کردی' یا حضرت معاویہؓ نے یزید کو خلیفہ بنا دیا۔ پھر ان اختلافات کے نتیجہ میں خون ریزیوں تک نوبت پہنچی۔

احکامِ الٰہی کے باب میں سلف نے اختلاف کی جو روش اختیار کی' اس سے ہر نوع کے اختلافات کو اپنے مقام اور اپنی حدود میں رکھنے کا طریقہ سیکھا جا سکتا ہے۔

۱- پہلا اور سب سے اہم اصول یہ ہے کہ کسی انسان کی فہم اور رائے' اللہ کے حکم اور فیصلہ کا درجہ نہیں رکھتی۔ اس میں خطا کا بھی امکان ہے اور اس سے مختلف رائے میں صحت کا بھی۔ معاملہ قرآن و سنت سے احکامِ الٰہی کے استنباط کا ہو' یا تدابیر و اشخاص کے بارہ میں رائے کا' یہی صحیح روش ہے۔

حضرت عمرؓ کہتے تھے کہ رائے تو صرف رسول اللہؐ کی صحیح ہے کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ خود سمجھاتا تھا' باقی ہماری باتیں تو گمان اور قیاس پر مبنی ہیں۔ آپؓ کے سیکرٹری نے کسی خط میں لکھا کہ "یہ وہ ہے جو اللہ کے نزدیک' اور عمرؓ کے نزدیک صحیح ہے۔" آپؓ نے فرمایا' تو نے بری بات کہی۔ یوں لکھ کہ یہ عمرؓ کی رائے ہے' اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ٹھیک نہ ہو تو عمرؓ کی طرف سے ہے۔

سلف اس بات سے احتراز کرتے تھے کہ وہ اپنی رائے یا اجتہاد کو اللہ اور رسولؐ کی طرف منسوب کریں۔ وہ یوں کہنے کو ترجیح دیتے کہ میری رائے میں یہ صحیح ہے' یہ بہتر ہے' یہ غلط ہے۔ بجائے اس کے کہ اللہ نے یہ حرام کیا ہے' یہ حلال کیا ہے۔ حرام و حلال کے الفاظ بھی زبان پر لانے سے وہ گھبراتے تھے کہ کہیں غلط حکم کی نسبت اللہ کی طرف نہ ہو جائے۔ اسی لیے وہ اکثر "مکروہ" کہہ کر گزر جاتے تھے۔ احادیث کی نسبت بھی رسول اللہ کی طرف کرنے سے احتراز کرتے' اسی لیے موقوف احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ پایا جاتا ہے۔ امام مالک تو فتویٰ دینے کے بعد یہ آیت پڑھ دیتے تھے کہ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ' یہ تو ہمارا گمان ہے' ہمیں اس پر یقین نہیں۔

اسی لیے آج تک اصحابِ فتویٰ اپنے فتویٰ کے ساتھ یہ ضرور کہتے ہیں کہ "یہ میری رائے ہے' علم اللہ کے پاس ہے' اور وہی صحیح حکم جانتا ہے۔" قرآن و سنت سے مستنبط احکام کے بارہ میں اگر یہ روش صحیح ہے' تو تدابیر و اشخاص کے بارہ میں تو بدرجۂ اولیٰ صحیح ہونا چاہیے۔ اختلاف کرنے والے اگر اپنی رائے کو' صرف رائے ہی سمجھنے لگیں نہ کہ حکمِ الٰہی یا حق و باطل کی میزان'

اور اس کے مقام کا صحیح شعور رکھتے ہوں' تو ان کا کوئی اختلاف نزاع و افتراق تک نہیں پہنچے گا۔

۲ - دوسرا اہم بنیادی اصول یہ ہے کہ معاملات اور اختلافات کو طے کرنے کے لیے جو ادارے اور طریقے باہمی اتفاق سے طے کرلیے گئے ہوں' ان کی پابندی کریں' ان کے فیصلے تسلیم کریں' اور ان کی خلاف ورزی نہ کریں' اگرچہ انھیں غلط بھی سمجھتے ہوں۔ اور ان اداروں اور طریقوں کا احترام بھی برقرار رکھیں' انھیں مشکوک اور مشتبہ نہ بنائیں۔ اختلافات تو ہوں گے' ہر چیز سے بڑھ کر طے کرنے والے اداروں اور طریقوں کی پابندی ہے۔

سلف کے نزدیک یہ اصول مسلّمہ تھا کہ مفتی کو فتویٰ دینے کا بھی حق ہے' قاضی کے فیصلہ پر تنقید کا بھی' لیکن جو منصبِ قضا پر فائز ہوگا' یعنی فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا' اس ہی کا فیصلہ نافذ ہوگا' اور اسی کے مطابق معاملات طے ہوں گے اور چلیں گے۔ کوفہ میں قاضی عدالت میں فیصلے کرتے تھے' امام ابوحنیفہؒ باہر ان پر تنقید کرتے تھے۔ ان کو تنقید کا حق تھا' لیکن معاملات قاضی کے فیصلوں کے مطابق ہی چلتے تھے۔ یہ "قاضی" امیر بھی ہوسکتا ہے' شوریٰ بھی' پارلیمنٹ بھی' عدالت بھی' شوہر بھی' حکم بھی۔

ہر اجتماعیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ معاملات اور اختلافات کو طے کرنے کے لیے مناسب ضروری مجاز اداروں اور طریقوں کا تعین کرے۔ جس طرح قرآن مجید نے باہمی تنازعات میں اللہ اور رسولؐ کو مرجع قرار دیا' گھریلو نزاع میں دو حکم مقرر کرنے کی ہدایت دی' وراثت پر جھگڑے کی صورت میں قسم دلوانے کا طریقہ تجویز کیا' دو گروہوں میں قتال ہو جائے تو صلح کرانے کا حکم دیا۔

اس ضمن میں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ تنقید اور اظہارِ اختلاف کی مناسب حدود کا بھی تعین کرے۔ اس بارہ میں شریعت چند بنیادی اصول تو دیتی ہے' تفصیلات طے کرکے ہمارے ہاتھ میں نہیں تھماتی۔ یہ تفصیلات لوگ خود طے کرسکتے ہیں' لیکن یہ ضروری ہے کہ جو خود طے کریں اس کی پابندی کریں۔ جہاں شمولیت رضاکارانہ نہیں' جیسے ریاست اور امت میں' وہاں یہ حدود بہت وسیع ہونا چاہئیں۔ جہاں رضاکارانہ ہوگی' وہاں حسبِ حالات باہمی اتفاق سے تنگ بھی کی جاسکتی ہیں۔ پبلک میں اختلاف کا حق دیا بھی جاسکتا ہے' منع بھی کیا جاسکتا ہے۔ خوارج حضرت علیؓ کی تکفیر کرتے تھے اور آپؓ کے قتل کے منصوبے بناتے تھے' لیکن آپؓ نے ان پر کوئی پابندی عائد نہ کرنے کا فیصلہ کیا' اِلّایہ کہ وہ ہتھیار اٹھالیں۔ دوسری طرف ایک مجلس سے اٹھنے والے کے لیے مجلس کی ہربات ایک امانت ہے' جس کا اظہار اسے مجلس کی اجازت کے بغیر نہیں کرنا چاہیے۔

۳ - تیسرا اہم بنیادی اصول یہ ہے کہ مجاز اداروں اور متعین طریقوں کے مقابلہ میں اپنی

رائے کے مانے جانے پر ـــــ جو بہرحال انسانی رائے ہے اور خطا و صواب دونوں کے امکانات کی حامل ـــــ اصرار نہ کریں۔ نہ فیصلہ ہو جانے کے بعد بھی اپنی رائے چلانے پر مصر ہوں۔ نہ اپنی رائے کو کسی نہ کسی طور دوسروں پر مسلّط کریں۔

جو لوگ حضورؐ کی مجلس میں آپؐ کی رائے پر اپنی رائے کو مقدّم رکھنا چاہتے تھے، اور زورِ زبان و بیان سے اپنی بات منوانا چاہتے تھے، وہ ایسے ہی لوگ تھے۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے سخت وعید سنائی ہے۔ صلح اور تصفیہ کے بعد، جنگ میں جو گروہ اپنی روش پر اڑا رہے اس سے قتال کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک حدیث کی رو سے، مشورہ سے ایک حکمران کا تقرر ہو جائے، تو جو خود حکمرانی کا دعویٰ کرے، یا دوسرے کو حکمراں بنائے، اس کا خون مباح ہو جاتا ہے۔

اپنی رائے کو حرفِ آخر سمجھنے، اور اس اڑے رہنے سے اختلافات لازماً ایک نزاع اور جھگڑے کی صورت اختیار کرلیتے ہیں، اور افتراق و انتشار پیدا ہوتا ہے۔ یہی وہ "رائے" ہے جس کی مذمت اہلِ علم اور فقہا نے کی ہے، یہی وہ روش ہے جسے قرآن نے استکبار قرار دیا ہے۔

مولانا مسعود عالم ندویؒ راقم پر بڑی شفقت کرتے تھے۔ چالیس سال سے زیادہ پہلے کی بات ہے، اس وقت اخوان المسلمون میں رونما ہونے والے افتراق و انتشار کے حوالہ سے میں نے سوال اٹھایا۔ بہت تفصیل سے جواب دیا، اور آخر میں کہا کہ "مجلسِ شوریٰ میں، میں ہمیشہ "لیڈر آف دی اپوزیشن" ہوتا ہوں، ہمیشہ ہارتا ہوں۔ جس دن میں اَڑ جاؤں گا کہ نہیں میری ہی رائے مانی جانی چاہیے، اس دن جماعتِ اسلامی بکھر جائے گی۔ دیکھو، بس اس سے اجتناب کرنا۔"

۴ - چوتھا اہم بنیادی اصول یہ ہے کہ جب اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ نہ ہو تو یہ نہ کریں کہ اداروں کو، فیصلوں کو، فیصلوں کے طریقِ کار کو، سب کو شکوک و مشتبہ بنا دیں۔

افراد آتے جاتے رہیں گے، ادارے مستقل ہیں۔ ان کی عزت و وقار سلامت رہے تو وحدت سلامت رہے گی۔ ان کا اعتبار اٹھ جائے تو وحدت اٹھ جائے گی۔ آج زید صدر یا وزیرِاعظم ہے تو کل بکر ہوگا، آج بکر امیر ہے تو کل عمر ہوگا، آج ایک پارلیمینٹ یا شوریٰ ہے تو کل دوسری ہوگی۔ ان سے ہم کتنا ہی اختلاف کریں، ان پر کتنی ہی تنقید کریں، لیکن ان کو تباہ نہ کریں۔ اگر صدر یا وزیرِاعظم غدار، دشمن کا ایجنٹ، ملک کا دشمن ہے، مگر عوام اسی کو منتخب کرتے ہیں، اگر امیر جھوٹ بولتا ہے، امریکہ اور اسرائیل کا ایجنٹ ہے، دستور کی خلاف ورزیاں کرتا ہے، مگر شوریٰ و ارکان اسی کو اپنا امیر رکھتے ہیں۔ اگر شوریٰ ربر اسٹمپ ہے، صحیح فیصلے کرنے سے بھی عاجز اور ان کو صحیح ریکارڈ کرانے سے بھی عاجز ہے، اور وہی اعلیٰ منتخب ادارہ ہے۔ تو پھر وہ منتخب

کرنے والوں کا' طریقِ انتخاب کا' طریقِ فیصلہ کا' منتخب لوگوں کا' سب کا اعتبار اٹھ جائے گا۔

۵ - پانچواں اہم بنیادی اصول یہ ہے کہ اختلاف اگر حل نہ ہو اور بڑھتا جائے' تو کم سے کم اللہ تعالیٰ نے باہمی تعلقات میں فساد (فساد ذات البین) روکنے کے لیے جن چیزوں کو حرام کردیا ہے' ان سے اجتناب کیا جائے۔ مثلاً اخلاص اور نیت پر حملہ نہ کیا جائے کہ یہ بدگمانی ہے' اور بدترین بدگمانی ہے۔ اس لیے کہ دلوں کا حال سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا' وہی علیم بذات الصدور ہے۔ کسی بات کو بلا تحقیق قبول نہ کیا جائے اور بلا ثبوت آگے نقل نہ کیا جائے۔ زبان اور الفاظ کو قابو میں رکھا جائے کہ اللہ کی حدود نہ ٹوٹنے پائیں۔ شدید سے شدید مخالفت میں بھی عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے' لینے اور دینے کے باٹ الگ الگ نہ ہوں۔ جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے' فساد ذات البین ایک ایسا استرا ہے جو سارا دین ہی مونڈ ڈالتا ہے۔

افغانستان میں بندوقیں اور راکٹ چلتے ہیں' تو ہر شخص شدید مذمت کرتا ہے۔ لیکن سیاسی اور دینی جنگوں میں جو الفاظ' تقریریں اور کالم چلتے ہیں' وہ دیکھیے۔ ان کو چلانے والوں کے ہاتھوں میں بندوقیں اور راکٹ ہوتے' تو کیا وہ چلانے سے دریغ کرتے ؟

---

جہاں نزاع اور تفرقہ کا سبب ہوائے نفس ہے' انانیت ہے' ہوسِ اقتدار ہے' وہاں تو کسی اصول اور ضابطہ کی پابندی کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ ہمارے مخاطب بھی نہیں۔

لیکن جہاں اخلاص ہے' اور اخلاص میں شدت ہے' جہاں اخلاص ہی کی وجہ سے آدمی اپنے کو برسرِحق سمجھتا ہے اور دوسرے کو برسرِباطل' جہاں وہ سمجھتا ہے کہ دوسرا اس نشیمن کو برباد کردے گا جسے بنانے میں اس نے اپنی زندگی لگائی ہے' یا وہ نشیمن بنائے گا ہی نہیں جس کے لیے وہ شریکِ سفر ہوا' وہاں ہم پوری دردمندی کے ساتھ ایک بات سب کے سامنے' اختلاف میں ہر فریق کے سامنے' رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ مخلصین کے درمیان قتال ہو جیسے افغانستان میں' سیاسی جنگ ہو جیسے پاکستان میں' یا تحریکوں میں اندرونی خلفشار ہو جیسے جماعتِ اسلامی میں۔

اختلاف کو ایک لڑائی بنا دینے کا مقصد اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ آپ شدت سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ فریقِ مخالف آپ کے محبوب نشیمن کو برباد کررہا ہے یا کردے گا' اور آپ کو اسے اپنے نشیمن کے معاملات سے ہر قیمت پر بے دخل کرنا ہے۔ لیکن آپ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں۔ اگر آپ کی اس لڑائی میں وہ شاخ ہی کٹ گئی جس پر یہ آشیاں قائم ہے' وہ نشیمن ہی تباہ ہوگیا جس کو آپ حق پر' اور صحیح ہاتھوں میں' دیکھنا چاہتے ہیں' تو پھر حاصل کیا ہوگا۔ کیا یہ سراسر

گھاٹے کا سودا نہ ہوگا؟

اگر کابل ملبہ بن گیا' افغان شہریوں کی ایک اور بڑی تعداد ہلاک اور اپاہج ہوگئی' افغانستان بٹ گیا' قوم مزید متفرق اور منتشر ہوگئی' دلوں کے گھاؤ اور گہرے ہوگئے' تو آپ فتح کے بعد' اگر بغرض محال وہ حاصل بھی ہوگئی تو' افغانستان کو متحد کیسے کریں گے' اسلامی حکومت کس پر اور کہاں قائم کریں گے' افغانستان کو ایک مضبوط اور ترقی یافتہ ریاست کیسے بنائیں گے؟ کیا برہان الدین ربانی' حکمت یار کو مٹا سکتے ہیں' یا حکمت یار' برہان الدین ربانی کو جڑ سے اکھاڑ سکتے ہیں؟ ابھی تو کمیونسٹوں ہی کا بال بیکا نہیں ہوسکا' اور کوئی ان کے بغیر دوسرے سے نہیں لڑ سکتا۔ پھر مستقبل میں آپ کی وحدہٗ لاشریک حکومت کیسے قائم ہوگی؟ آپ پورے جہاد کے دوران کسی دشمن کا دل تو جیت نہیں سکے' اب کیا سب ہم سفر دوستوں کے دل بھی ہار جائیں گے۔

اگر پاکستان کی معیشت تباہ ہوگئی' سیاسی نظام غیر مستحکم ہوگیا' وہ امریکہ اور بھارت کے رحم و کرم پر رہ گیا' قوم دو طبقات میں تقسیم ہوگئی جو ایک دوسرے کو مٹا سکتے ہیں' نہ گوارا کرسکتے ہیں' نہ برسرِاقتدار دیکھ سکتے ہیں' تو آپ بلاشرکت غیرے کس ملک پر حکومت کریں گے؟ کیا محترمہ بینظیر بھٹو اور ان کے ساتھی اور جناب نواز شریف اور ان کے ساتھی اپنے مدِمقابل کی ٹانگیں توڑ کر بحیرۂ عرب میں پھینک سکتے ہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ جب بھی کسی کو حکومت کرنا ہوگی' سب کو مل جل کر اور ایک دوسرے کے ساتھ رواداری اور خوش گواری کے ساتھ ہی کرنا ہوگی۔

اگر جماعتِ اسلامی جیسی کسی تنظیم کا نظم ڈھیلا پڑ گیا' اس کے کارکن بددل ہوگئے' اس کے بہی خواہ دور چلے گئے' اس کی صفیں ٹوٹ پھوٹ گئیں' تو کس جماعتِ اسلامی کو آپ اپنے مطلوبہ راستہ پر واپس لے جائیں گے' یا کس جماعتِ اسلامی کے ذریعہ آپ اپنے مطلوبہ راستہ پر سفر کریں گے؟ کیا اب اس جماعت میں یہ ممکن ہے کہ صرف ایک نقطۂ نظر اور رائے کو غلبہ حاصل ہو' اور دوسرا نقطۂ نظر مٹ جائے؟

ہم دنیا بھر میں ملت کے ان گروہوں سے' جو اخلاص کے ساتھ ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں' پوچھتے ہیں کہ کیا مکمل فتح نام کی کوئی چیز حقیقت کی دنیا میں پائی جاتی ہے' کبھی کسی کو ملی ہے؟ کیا حضرت ہارونؑ اور حضرت حسنؓ کے اسووں میں ہمارے لیے کوئی روشنی نہیں' کیا صلحِ حدیبیہ اور فتحِ مکہ میں ہمارے لیے کوئی رہنمائی نہیں؟ یا' کیا ہم کافر ملکوں اور معاشروں سے بھی کچھ نہیں سیکھ سکتے؟

---

درج بالا اصولوں کی پابندی کی جائے تو اختلافات' فرقہ وارانہ ہوں' سیاسی ہوں' دینی جماعتوں کے اندر ہوں' مسلح گروہوں کے درمیان ہوں' ان کو فساد و انتشار میں تبدیل ہونے کی روک تھام ہو سکتی ہے۔ لیکن اصولوں اور قواعد و ضوابط کی پابندی خود ایک خصوصی قوت اور استعداد کا تقاضا کرتی ہے' ورنہ سنہری اصولوں اور قواعد کی کوئی کمی نہیں۔ وہ دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور افتراق بڑھتا رہتا ہے' وحدت پارہ پارہ ہوتی رہتی ہے۔

کیا ہمارے پاس نسخوں کی کمی ہے ؟ نہیں۔ کیا وعظ و نصیحت میں کمی ہے ؟ نہیں۔ ایک سے ایک کارگر نسخے تجویز کیے جارہے ہیں' موجود ہیں۔ ایک سے ایک حسین و دل پذیر وعظ و نصیحت کے درس ہیں۔ لیڈروں کو یہ کرنا چاہیے' عوام کو یہ۔ سوال یہ ہے کہ وہ نسخہ کیا ہے جس سے مریض دوا پینے پر راضی ہو جائے' کڑوی گھونٹ حلق سے اتار لے۔

کڑوی گھونٹ پینے کے لیے جس استعداد کی ضرورت ہے' اس کا نام ہے تقویٰ۔ اور تقویٰ ایمان سے پیدا ہوتا ہے۔ جب تک امت کو دعوت الی الایمان' تذکیر' اور انذار و تبشیر کی بڑی بڑی خوراکوں کے ذریعہ اسی وحدت کے کھونٹے سے بندھنے کے لیے آمادہ نہیں کیا جائے گا' جس سے اس کی وحدت کا شیرازہ بندھ سکتا ہے' اس وقت تک کوئی نسخہ استعمال نہ ہوگا' کوئی وعظ کارگر نہ ہوگا۔ اس لیے قرآن مجید نے تقویٰ' ذکرِ الٰہی' حبل اللہ کو مضبوط پکڑ لینے کی ہدایات سب سے پہلے دی ہیں۔ اور عیسائیوں کی باہمی بغض و عداوت کی تشخیص کرتے ہوئے فرمایا ہے :

> ہم نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا تھا جنھوں سے کہا تھا ہم نصاریٰ ہیں۔ مگر ان کو جو سبق یاد کرایا گیا تھا اس کا ایک بڑا حصہ انہوں نے فراموش کردیا۔ آخر کار ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے دشمنی اور آپس کے بغض و عناد کا بیج بو دیا۔ (المائدہ ۵:۱۴)

آج بڑی خوش آئند بات ہے کہ امت میں بھولے ہوئے سبق کو یاد کرنے کی ایک زبردست لہر اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ وقت لگے گا' لیکن ہمیں یقین ہے کہ ارضِ موعودہ ضرور ہمیں نصیب ہوگی' خواہ چالیس سالہ دشت نوردی کے بعد ہو۔ بس ہر مسلمان کو ایمان اور وحدت کے لیے کھڑا ہو جانا چاہیے' اور وقت' مال' جان' جو درکار ہے' اس مقصد کے لیے لگا دینا چاہیے۔

آپ کے مشوروں اور نقطۂ نظر کے بھی منتظر رہتے ہیں۔ ترسیل میں کوئی کوتاہی ہو تو فوراً توجہ دلائیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ ۱۰ر تاریخ تک رسالہ نہ ملے' تو مطلع کریں' دوسرا بھیجا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزا سے نوازے۔

---

# - ۶۰ سال پہلے -

اسلام کی دعوتِ عام اس بنیاد پر قائم ہے کہ نوعِ انسانی کے لیے اسلام کی شکل میں ایک ایسا مکمل مذہب پیش کر دیا گیا ہے جس میں پچھلے تمام مذاہب کی کمی پوری کر دی گئی ہے، اور آیندہ کے لیے کوئی کمی ایسی نہیں چھوڑی گئی جس کو پورا کرنے کی کبھی ضرورت پیش آئے۔ اس مکمل مذہب نے ہمیشہ کے لیے اسلام اور کفر، حق اور باطل کے درمیان ایسا متعین اور مستقل امتیاز قائم کر دیا ہے کہ اب قیامت تک اس میں کسی قسم کا گھٹاؤ اور بڑھاؤ نہیں ہو گا۔ جو کچھ اسلام اور حق ہے اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کر دیا، اب اس جنس کی کوئی مزید چیز آنے والی نہیں ہے، کہ آیندہ کسی زمانے میں انسان کا مسلم اور حق پرست ہونا اس نئی چیز کو تسلیم کرنے پر موقوف ہو۔ اور جس چیز کو محمدؐ نے کفر اور باطل قرار دے دیا ہے وہ ہمیشہ کے لیے کفر اور باطل ہے۔ اس میں سے کوئی چیز نہ اب حق اور اسلام ہو سکتی ہے، اور نہ اس کے سوا کسی دوسری چیز پر کفر اور اسلام کے تفریق قائم ہو سکتی ہے۔ یہی ٹھوس اور غیر تغیر پذیر بنیاد ہے جس پر عالمگیر اور دائمی ملت و تہذیبِ اسلامی کی عمارت تعمیر کی گئی ہے، اور ایسی بنیاد پر اس کی تعمیر اسی لیے کی گئی ہے کہ تمام دنیا کے انسان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک ہی ملت، ایک ہی دین اور ایک ہی تہذیب کے اتباع پر متفق ہو سکیں۔

جو شخص کہتا ہے کہ اسلام آ جانے کے بعد بھی ادیانِ سابقہ کا اتباع درست ہے وہ دراصل اسلام سے عوام کا حق چھینتا ہے، کیونکہ جب اسلام کے سوا دوسرے طریقوں سے بھی ہدایت ممکن ہو تو تمام اقوام و ملل کو اسلام کی طرف دعوت دینا ایک فضول حرکت ہو گی۔ اور جو شخص کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں ہر زمانے کی ضروریات اور حالات کے لحاظ سے حذف و ترمیم اور اصلاح و اضافہ ہو سکتا ہے، وہ دراصل اسلام سے عوام کا حق سلب کرتا ہے۔ کیونکہ جو دین ناقص ہو اور حذف و اضافہ کا محتاج ہو، وہ ہمیشہ کے لیے ذریعۂ ہدایت ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ جھوٹا ہو گا۔

(سیّدابوالاعلیٰ مودودیؒ، ترجمان القرآن، محرم الحرام ۱۳۵۳، مارچ ۱۹۳۴)

# تعلق باللہ بڑھانے کا طریقہ

اس تعلق کو، جو ایک مومن کو اللہ سے ہونا چاہیے 'پیدا کرنے' اور بڑھانے کا طریقہ (یہ ہے کہ) آدمی سچے دل سے اللہ وحدہ' لاشریک کو اپنا اور ساری کائنات کا مالک، معبود' اور حاکم تسلیم کرے۔ الوہیت کی تمام صفات اور حقوق اور اختیارات کو اللہ کے لیے مخصوص مان لے' اور اپنے کو شرک کے ہر شائبے سے پاک کر دے۔ یہ کام جب آدمی کر لیتا ہے تو اللہ سے اس کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔

رہا اس تعلق کا نشوونما تو وہ دو طریقوں پر منحصر ہے' ایک فکر و فہم کا طریقہ اور دوسرا عمل کا طریقہ۔

فکر و فہم کے طریقے سے اللہ کے ساتھ تعلق بڑھانے کی صورت یہ ہے کہ آپ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی مدد سے ان نسبتوں کو تفصیل کے ساتھ اور زیادہ سے زیادہ وضاحت کے ساتھ سمجھیں جو آپ کے اور خدا کے درمیان فطرتاً ہیں اور بالفعل ہونی چاہئیں۔ ان نسبتوں کا ٹھیک ٹھیک احساس و ادراک اور ذہن میں ان کا استحضار صرف اسی طریقے سے ممکن ہے کہ آپ قرآن و حدیث کو سمجھ کر پڑھیں۔ بار بار اس کے مطالعے کی تکرار کرتے رہیں اور ان کی روشنی میں جو جو نسبتیں آپ کے اور خدا کے درمیان معلوم ہوں ان پر غور و فکر کر کے اور اپنی حالت کا جائزہ لے کر دیکھتے رہیں کہ ان میں سے کس کس نسبت کو آپ نے بالفعل قائم کر رکھا ہے' کہاں تک اس کے تقاضے آپ پورے کر رہے ہیں اور کس کس پہلو میں آپ کیا کمی محسوس کرتے ہیں۔ یہ احساس اور یہ استحضار جتنا جتنا بڑھے گا' ان شاء اللہ اسی تناسب کے ساتھ اللہ سے آپ کا تعلق بھی بڑھے گا۔

(عطیہ اشتہار) (ایک بندہ خدا)

حکمتِ مودودیؒ

# کامیابی کی شرائط

## اُخوت و محبت

جماعت کا اوّلین وصف یہ ہونا چاہیے کہ اس کے شرکا آپس میں محبت کرنے والے ہوں' ایک دوسرے کے ساتھ ایثار کا معاملہ کریں۔ جس طرح ایک عمارت اسی وقت مستحکم ہوتی ہے جبکہ اس کی اینٹیں باہم مضبوطی کے ساتھ پیوستہ ہوں اور اینٹوں کو جوڑنے والی چیز سیمنٹ ہے۔ اسی طرح ایک جماعت بھی اس وقت بنیانِ مرصوص بنتی ہے جب کہ اس کے ارکان کے دل ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوں اور دلوں کو جوڑنے والی چیز مخلصانہ محبت ہے' آپس کی خیر خواہی اور ہمدردی ہے' اور ایک دوسرے کے ساتھ ایثار کا معاملہ ہے۔ نفرت کرنے والے دل کبھی نہیں مل سکتے۔ منافقانہ میل جول کوئی حقیقی اتحاد پیدا نہیں کر سکتا۔ خودغرضانہ اتحاد نفاق کا پیش خیمہ ہوتا ہے' اور محض ایک روکھا سوکھا کاروباری تعلق کسی رفاقت کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ کوئی دنیاوی غرض ایسے بے جوڑ عناصر کو جمع بھی کردے تو وہ صرف بکھرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں اور پھر کچھ بنانے کے بجائے آپس ہی میں کٹ مرتے ہیں۔ . . . اس طرح کی جماعت حقیقت میں ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوتی ہے۔ جس کے اندر فساد ڈالنے کے لیے کوئی شگاف نہیں پاتا اور باہر سے مخالفتوں کے سیلاب اٹھا اٹھا کر لاتا بھی ہے تو اسے اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتا۔ . . .

## حکمت

. . . ایک نہایت اہم وصف حکمت ہے' جس پر بہت بڑی حد تک کامیابی کا انحصار ہے۔ دنیا میں جو نظامِ زندگی بھی قائم ہیں ان کو اعلیٰ درجے کے ذہین اور ہوشیار لوگ چلا رہے ہیں' اور ان کی پشت پر مادی وسائل کے ساتھ عقلی و فکری طاقتیں اور علمی و فنی قوتیں کام کر رہی ہیں۔ ان کے مقابلے میں ایک دوسرے نظام کو قائم کردینا اور کامیابی کے ساتھ چلا لینا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ بسم اللہ کے گنبد میں رہنے والوں کے کرنے کا کام نہیں ہے۔ سادہ لوح لوگ خواہ

کتنے ہی نیک اور نیک نیت ہوں' اس سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے۔ اس کے لیے گہری بصیرت اور تدبر کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے دانش مندی اور معاملہ فہمی درکار ہے۔ اس کام کو وہی لوگ کرسکتے ہیں جو موقع شناس اور باتدبیر ہوں' اور زندگی کے مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ حکمت ان سب اوصاف کے لیے ایک جامع لفظ ہے اور اس کا اطلاق و دانائی وزیرکی کے متعدد مظاہر پر ہوتا ہے۔

یہ حکمت ہے کہ آدمی انسانی نفسیات کی سمجھ رکھتا ہو اور انسانوں سے معاملہ کرنا جانتا ہو۔ لوگوں کے اذہان کو اپنی دعوت سے متاثر کرنے اور ان کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنے کے طریقوں سے واقف ہو۔ ہر شخص کو ایک ہی لگی بندھی دوا دیتا نہ چلا جائے بلکہ ہر ایک کے مزاج اور مرض کی صحیح تشخیص کرکے علاج کرے۔ سب کو ایک لکڑی سے نہ ہانکے بلکہ جن جن اشخاص اور طبقوں اور گروہوں سے اس کو سابقہ پیش آئے ان کے مخصوص حالات کو سمجھ کر ان کے ساتھ معاملہ کرے۔

یہ بھی حکمت ہے کہ آدمی اپنے کام کو' اس کے کرنے کے طریقوں کو' جانتا ہو' اور اس کے راستہ میں پیش آنے والی دشواریوں' مخالفتوں' اور مزاحمتوں سے نمٹنا بھی اس کو آتا ہو۔۔۔

یہ بھی حکمت ہی ہے کہ آدمی اس وقت کے حالات پر نظر رکھتا ہو' مواقع کو سمجھتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ کس موقع پر کیا تدبیر کی جانی چاہیے۔ حالات کو سمجھے بغیر اندھا دھند قدم اٹھا دینا' بے موقع کام کرنا اور موقع پر چوک جانا مغفل لوگوں کا کام ہے۔ اور ایسے لوگ خواہ کتنے ہی پاکیزہ مقصد کے لیے کتنی ہی نیکی اور نیک نیتی کے ساتھ کام کررہے ہوں' کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔

اور ان سب حکمتوں سے بڑھ کر راس الحکمت یہ ہے کہ آدمی دین میں تفقہ اور معاملات دنیا میں بصیرت رکھتا ہو۔ محض احکام اور مسائل شریعت سے واقف ہونا اور انھیں پیش آمدہ حوادث پر چسپاں کردینا منصب افتا کے لیے تو کافی ہوسکتا ہے' مگر بگڑے ہوئے معاشرے کو درست کرنے' اور نظام زندگی کو جاہلیت کی بنیادوں سے اکھاڑ کر دین کی بنیادوں پر از سرنو قائم کرنے کے لیے کافی نہیں ہوسکتا۔ اس مقصد کے لیے تو ضروری ہے کہ آدمی جزئیات احکام کے ساتھ کلیات احکام' بلکہ پورے نظام دین پر نظر رکھتا ہو۔ پھر احکام کے ساتھ ان کی حکمت کا بھی اسے علم ہو اور وقت کے ان حالات و مسائل کو بھی وہ سمجھتا ہو جن میں احکام کو رائج کرنا مطلوب ہو۔

---

فہمِ حدیث

# کلامِ نبویؐ کی صحبت میں

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

ماہِ رمضان کی ہر رات' اللہ عزوجل کے حکم سے ایک پکارنے والا تین دفعہ پکارتا ہے: کوئی ہے مانگنے والا! جو وہ مانگے گا میں اسے دوں گا۔ کوئی ہے توبہ کرنے والا! میں اس کی توبہ قبول کروں گا۔ کوئی ہے استغفار کرنے والا! میں اس کے گناہ بخش دوں گا۔ کوئی ہے جو قرض دے ایسی ذات کو جو خالی ہاتھ نہیں' خزانوں سے مالا مال ہے' جو اپنے وعدوں کے مطابق پورا پورا عطا کرتی ہے' بغیر کسی کمی یا ظلم کے۔

جب شبِ قدر آتی ہے' تو اللہ عزوجل کے حکم سے جبرائیلؑ' فرشتوں کے ایک ہجوم کے ساتھ' نیچے اترتے ہیں۔ ایک سبز جھنڈا ان کے ساتھ ہوتا ہے' جسے وہ خانہ کعبہ کی چھت پر نصب کر دیتے ہیں' اور اپنے سو (۱۰۰) پروں میں سے وہ دو پر بھی کھول دیتے ہیں جو صرف اسی رات کھولے جاتے ہیں' یہاں تک کہ وہ مشرق سے مغرب تک کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ پھر جبرائیلؑ کے کہنے سے فرشتے اللہ کے حضور کھڑے ہونے والے' بیٹھنے والے' نماز پڑھنے والے' اور ذکر کرنے والے آدمی کو سلام کرتے ہیں' ان سے مصافحہ کرتے ہیں' اور ان کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں' یہاں تک کہ فجر ہو جاتی ہے۔

فجر کے وقت' جبرائیلؑ پکارتے ہیں: اے فرشتو' اب چلو' اب چلو۔ فرشتے کہتے ہیں: اے جبرائیلؑ' اللہ نے امتِ احمدؐ کے مومنین کی حاجتوں کے بارے میں کیا کیا؟ جبرائیلؑ کہتے ہیں: آج کی رات اللہ نے سب پر نظرِ رحمت فرمائی ہے' سب کو معاف کر دیا ہے' سب کے گناہ بخش دیے ہیں' سوائے چار آدمیوں کے۔

(حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں) ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ یہ کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ایک کثرت سے شراب پینے والا' دوسرے اپنے والدین سے قطع

تعلق کرنے والا' تیسرے رشتہ داروں کے حقوق ادا نہ کرنے والا' اور چوتھے دوسروں سے بغض و عداوت اور نفرت رکھنے والا (البیہقی' ابن حبان)

کرم و عطا اور رحمت و مغفرت کا یہ دروازہ رمضان ہی میں نہیں' ہر رات کھولا جاتا ہے۔

○

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہر رات' جب ایک تہائی رات باقی رہ جاتی ہے' ہمارا رب تبارک و تعالیٰ دنیا کے آسمان پر اترتا ہے اور فرماتا ہے: کوئی ہے جو مجھے پکارے' میں اس کی پکار سنوں گا! کوئی ہے جو مجھ سے مانگے' میں اسے عطا کروں گا! کوئی ہے جو مجھ سے استغفار کرے' میں اس کو بخش دوں گا! پھر وہ اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے اور کہتا ہے' کون ہے جو اس کو قرض دے جو نہ خالی ہاتھ ہے نہ ظالم! (مسلم' بخاری' مالک' ترمذی)

اللہ' اللہ' شان کریمی کا بھی کوئی ٹھکانا ہے! جو غنی ہے وہ محتاجوں کو خود بلاتا ہے' خود ہاتھ پھیلا کر مانگتا ہے' رحمت و بخشش کے سارے دروازے کھول دیتا ہے۔ لیکن راتیں آتی ہیں اور گزر جاتی ہیں' رمضان کی بھی اور دوسری بھی' ہمارے چاروں طرف خزانے برستے رہتے ہیں' ہم آرام سے پاؤں پھیلائے سوتے رہتے ہیں' ہماری جھولیاں خالی ہی رہ جاتی ہیں۔ کیسی بد نصیبی ہے' اور کیسی محرومی! سچ ہے' ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں۔

دیکھیے وہ کون ہیں جو شبِ قدر کے عفوِ عام سے محروم ہیں: وہ جو دوسرے انسانوں کے حقوق ادا نہیں کرتے' ان کو تکلیف اور ایذا پہنچاتے ہیں' اور ان کے ساتھ بغض رکھتے ہیں۔

○

حضرت امِ سلمہؓ بیان کرتی ہیں:

ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت گھبراہٹ کے عالم میں سوتے سوتے اٹھے اور فرمایا: سبحان اللہ' رات میں کس قدر خزانے اتارے گئے ہیں' اور کتنے فتنے! کوئی ہے جو حجرہ والیوں کو جگائے تاکہ وہ نماز پڑھیں۔ کتنی ہی دنیا میں کپڑے پہننے والیاں ہیں' جو آخرت میں برہنہ ہوں گی۔ (بخاری)

رات کو برکت کے خزانے بھی برستے ہیں' اور فتنے ہیں۔ جنھیں غیب پر ایمان ہے ان کی نیند اڑ جاتی ہے' اور وہ اپنے رب کے حضور ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

رسولؐ اللہ اپنی بیویوں کے لیے بھی اتنا ہی فکر مند ہوتے تھے۔ جتنا اپنے لیے۔

○

حضرت عمرو بن عبسہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب رات کے وقت ہوتا ہے۔ پس، اگر تم سے ہو سکے کہ رات کے وقت میں اللہ کو یاد کرنے والے بنو، تو ضرور بنو۔ (ترمذی، ابوداؤد)

رات کے سکوت اور تنہائی کے لمحات اپنے رب سے قربت کے لمحات بھی ہیں، قربت حاصل کرنے کا بہترین موقعہ بھی۔ "اگر ہو سکے" میں رخصت تو ہے ہی، زبردست ترغیب بھی ہے۔ یعنی، جو کچھ بھی کر سکو، وہ ضرور کرو۔

○

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب بندہ سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ پس (سجدہ میں) خوب دعائیں کرو۔ (مسلم، ابو داؤد، نسائی)

بادِ نیم شبی، اپنے رب کے حضور زمین پر منہ رکھ کے، قبولیت ہی کے لیے نہیں، دل کی زندگی، جذبات کی پاکیزگی اور درجات کی بلندی کے لیے بھی اکسیر ہے۔

○

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں رات کو اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے ہاں رہا۔ اس روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں تھے۔

جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ گیا، یا اس سے کچھ کم، تو آپؐ اٹھے، آسمان کی طرف دیکھا اور سورۃ آل عمران کی آخری دس یہ آیات پڑھیں، اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ---- لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (بخاری، مسلم)

○

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو تہجد کی نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو فرماتے:

اللھم لک الحمد، انت قیم السموت والارض ومن فیھن ـ ولک الحمد، انت نور السموٰت

والارض ومن فیھن۔ ولک الحمد‘ انت ملک السموات والارض ومن فیھن۔ ولک الحمد‘ انت الحق‘ ووعدک الحق‘ ولقاء ک حق‘ وقولک حق‘ والجنۃ حق‘ والنار حق‘ والنبیون حق‘ ومحمد حق‘ والساعۃ حق۔ اللھم لک اسلمت‘ وبک امنت‘ وعلیک توکلت‘ والیک انبت‘ وبک خاصمت‘ والیک حاکمت۔ فاغفرلی ماقدمت وما اخرت‘ وما اسررت وما اعلنت‘ وما انت اعلم بہ منی۔ انت المقدم وانت المؤخر‘ انت الٰہی‘ لا الٰہ الا انت‘ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ (بخاری‘ مسلم)

اے میرے اللہ‘ ساری حمد‘ تعریف اور شکر‘ تیرے ہی لیے ہے‘ کہ تو ہی آسمانوں اور زمین کو‘ اور جو کچھ ان میں ہے ان کو‘ تھامنے والا ہے۔ اور ساری حمد تیرے ہی لیے ہے‘ کہ تو ہی آسمانوں اور زمین کا‘ اور جو کچھ ان میں ہے ان کا‘ نور ہے۔ اور ساری حمد تیرے ہی لیے ہے‘ کہ تو ہی آسمانوں اور زمین کا‘ اور جو کچھ ان میں ہے ان کا‘ بادشاہ ہے۔ اور ساری حمد تیرے ہی لیے ہے‘ کہ تو حق ہے‘ اور تیرا وعدہ سچا ہے‘ اور تجھ سے ملاقات ہونا ہی ہے‘ اور تیری بات برحق ہے‘ اور جنت حق ہے‘ اور دوزخ حق ہے‘ اور سارے نبی سچے ہیں‘ اور محمدؐ سچے ہیں‘ اور قیامت کی گھڑی برحق ہے‘ میرے اللہ میں پورا تیرا مطیع ہو گیا ہوں‘ تجھ پر ایمان رکھتا ہوں‘ سارے کام تیرے سپرد کر دیے ہیں‘ تیری طرف پلٹتا ہوں۔ تیرے ہی لیے جھگڑتا ہوں‘ تجھ ہی سے فیصلہ طلب کرتا ہوں۔ پس میرے گناہ بخش دے: وہ جو میں نے آگے بھیجے اور جو پیچھے چھوڑے‘ وہ جو میں نے چھپ کر کیے یا علانیہ کیے‘ وہ جو مجھ سے زیادہ تو جانتا ہے۔ تو ہی آگے بڑھانے والا ہے۔ تو ہی پیچھے کرنے والا ہے‘ تو ہی میرا معبود ہے‘ تیرے علاوہ اور کوئی الٰہ نہیں۔ اللہ علی العظیم کے علاوہ‘ نہ کسی کے پاس قوت ہے‘ نہ کسی کے بس میں کوشش۔

○

حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو شخص رات کو جاگے‘ اور یہ کلمات کہے‘

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ‘ لہ الملک ولہ الحمد‘ وھو علی کل شیٔ قدیر۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

پھر کہے‘ رب اغفرلی‘ میرے رب مجھے بخش دے (یا فرمایا‘ پھر دعا مانگے)‘ اس کی دعا قبول کی جائے گی۔ پھر اگر وضو کر کے نماز پڑھے‘ تو اس کی نماز قبول کی جائے گی۔ (بخاری)

○

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں :

ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لیے کھڑے ہوئے تو ایک ہی آیت پڑھتے پڑھتے صبح کر دی : اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔ (ترمذی ' ابوداؤد)

○

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں :

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نماز پڑھتے تو اسے ہمیشہ پڑھنا پسند کرتے۔ جب کبھی آپؐ نیند کے غلبہ کی وجہ سے ' یا درد کی وجہ سے ' رات کو نماز نہ پڑھ سکتے ' تو دن میں بارہ رکعات پڑھ لیتے ۔ میں نے نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پورا قرآن ایک رات میں پڑھا ہو ' یا ساری رات نماز پڑھی ہو ' یا سوائے رمضان کے پورے ہمیشہ ہمیشہ روزے رکھے ہوں۔ (مسلم)

○

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے ہر حصہ میں وتر پڑھے ہیں : شروع رات میں عشا کے بعد ' درمیان میں ' اور آخر میں ۔ (بخاری و مسلم)

○

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

جس شخص کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ آخر رات میں نہیں اٹھ سکے گا ' وہ شروع رات ہی میں وتر پڑھ لے۔ اور جسے آخر رات میں پڑھنے کا لالچ ہو ' وہ آخر رات میں پڑھے۔ آخر رات کی نماز مشہود ہے (کہ فرشتے حاضر ہوتے ہیں) ' اور افضل ہے۔ (مسلم)

○

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

جو شخص نیند کی وجہ سے اپنا پورا وظیفہ یا اس کا کچھ حصہ پڑھے بغیر سو رہا ' اور وہ فجر

اور ظہر کے درمیان پڑھ لے، تو یہ ایسے ہی لکھا جائے گا جیسے اس نے رات میں پڑھا ہو۔ (مسلم)

○

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے شعبان کے آخری دن تقریر کی اور (اس میں) فرمایا:

رمضان میں جس نے اپنے خادم پر کام کا بوجھ ہلکا کیا، اللہ اس کی مغفرت فرمائے گا، اور اسے آگ سے رہائی دے گا۔

اور اس ماہ میں چار چیزوں کی کثرت کرو: دو وہ جن سے تم اپنے رب کو راضی کرو گے، اور دو وہ جن سے تم بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ جن دو خصلتوں سے تم اپنے رب کو راضی کرو گے وہ ہیں: شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، اور اس سے استغفار۔ وہ دو جن سے تم بے نیاز نہیں ہو سکتے، وہ یہ ہیں: اللہ سے جنت مانگو، اور دوزخ سے اس کی پناہ۔ (البیہقی، ابن خزیمہ، ابن حبان)

○

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟

صحابہؓ نے کہا: ہمارے نزدیک مفلس وہ ہے جس کے پاس مال ہو نہ اسباب۔

آپؐ نے فرمایا: میری امت میں تو مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز ڈھیر ساری نمازیں، روزے اور زکوتیں لے کر آئے گا مگر ساتھ ہی اس حال میں آئے گا کہ کسی کو گالی دی، کسی پر تہمت لگائی، کسی کا مال کھایا، کسی کا خون بہایا، کسی کو مارا۔ پس (ان مظالم کے قصاص میں) اس دعوے دار کو اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی، اور اس دعوے دار کو دے دی جائیں گی، یہاں تک کہ اگر حساب پورا ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں، تو ان (دعوے داروں) کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیے جائیں گے، اور پھر وہ سر کے بل آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم)

(مرتبہ: خرم مراد)

اُسوۂ حسنہ

# نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریریں

عبدالقدیر سلیم

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے مواہب و عطیات سے سرفراز فرما کر اسے روئے زمین کی ساری مخلوقات پر شرف بخشا۔ ان میں سے بعض عطیات کا تعلق مادی حواس سے ہے اور بعض کا ذہنی قوتوں سے' اور بعض کا قلبی و روحانی قوت سے۔ پھر حیرت انگیز امر یہ ہے کہ مادی حواس کا رابطہ باطنی قوتوں سے جوڑ دیا۔ ان حواس یا محسوسات میں ایک بڑی قوت' قوتِ ناطقہ ہے جس کے ذریعے انسان نے متنوع انقلابی کارنامے انجام دیے ہیں۔

روئے زمین کا ہر خطہ طبعی وجوہ کی بنا پر ایک منفرد زبان کی قوت رکھتا ہے۔ چنانچہ یونانی' لاطینی' آریائی اور سامی زبانیں جو انسانی تہذیب کی تاریخ میں شہرت رکھتی ہیں' اپنے اپنے دور میں اپنے آثار چھوڑ گئی ہیں۔

سامی زبانوں میں ترقی یافتہ اور زندہ زبان عربی ہے۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ایک بے آب و گیاہ اور تمدن سے ناآشنا ریگستانی خطے میں ایسی زبان پیدا ہوئی اور نشوونما پا کر اس قدر وسیع بن گئی کہ اس کے لفظی ذخیرے میں مختلف چیزوں کے نام' اقسام واوصاف کے فرق کی وجہ سے سیکڑوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ مثلاً شہد کے لیے پانچ سو' اونٹ اور شراب کے ہزار ہزار اور مختلف قسم کی تلواروں کے لیے چار ہزار اسماء ہیں۔ یہ وسعت دنیا کی کسی زبان میں نہیں پائی جاتی۔ دورِ جاہلیت میں بڑے بڑے زور آور و قادر الکلام شاعر اور خطیب پیدا ہوئے' جن کی زبان کسی رسمی درس گاہ کی مرہونِ منت نہیں تھی۔ انھیں فخر تھا کہ وہ عرب (یعنی فصیح و قادر الکلام)' اور غیر عرب' عجمی (یعنی ژولیدہ بیان) ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت نے اسی زبان کو پروان چڑھایا تاکہ اس میں اس کی آخری کتاب' قرآن نازل ہو سکے' جو نوعِ انسانی کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات ہو' اور تاقیامت باقی رہ سکے۔ پھر اس کا نزول ایسی خاتم الرسل پر ہو جو جامع محامد و اوصاف ہونے کے لحاظ سے ایک زندہ معجزہ ہو۔ چنانچہ جس طرح قرآن مجید ایک عدیم المثال معجزہ ہے' اسی طرح قرآن کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت بھی تمام لوازمِ خطابت کے ساتھ بے مثل ہے۔

محمد سلیم عبداللہؒ

# (۱)

## خطابت کی اہمیت

ایک انسان سے دوسرے انسانوں تک ابلاغ و ترسیل خیالات و جذبات کا قدیم ترین طریقہ خطابت ہے۔ دراصل انسان کو روئے زمین کی دوسری تمام مخلوقات سے ممتاز کرنے والی صفت' یہی اس کا نطق ہے' جس کی بنا پر اسے "حیوانِ ناطق" کہا جاتا ہے۔ کرۂ ارض پر اپنے وجود کے کئی لاکھ سال انسان نے یوں گزارے کہ اس کے پاس ابلاغ کے لیے اشاروں اور گفتگو کے سوا کوئی اور ذریعہ نہ تھا۔ تحریر کی ابتدا انسانی تاریخ کا ایک حالیہ واقعہ ہے' یعنی اب سے صرف چند ہزار سال پہلے انسانوں نے اپنی "گفتگو" کو مرئی نشانات اور علامتوں کے ذریعے مرتسم اور محفوظ کرنے کا ڈھنگ اور فن' ایجاد کیا۔ لیکن ان چند ہزار سالوں میں بھی تحریر' خیالات کی اشاعت کا بہت موثر اور وسیع الاستعمال ذریعہ ہی نہیں رہی' کیونکہ خواندگی کا تناسب بہت ہی حقیر تھا۔ کم ہی لوگ پڑھ سکتے تھے' اور شاید ان سے بھی کم کو لکھنا آتا تھا۔ پھر وسائلِ تحریر اور سامانِ کتابت پر نظر ڈالیں تو تحریر کے تنگ دائرے پر کوئی تعجب بھی نہیں ہوتا تھا۔

قدیم مصریوں نے جو تصویری خط (Hieroglyph) ایجاد کیا' اس کے نمونے اہرام مصر کی دیواروں پر کندہ یا منقوش ملتے ہیں۔ بعد میں صوتی علامات بن گئے اور حروف و الفاظ نے مرئی شکل اختیار کی۔ سائرائی اقوام (Sirites) جو جزیرہ نما سینا میں آباد تھیں' غالباً فنِ تحریر کی موجد ہیں۔ انہی نے صوتی حروف ایجاد کیے۔ انہی حروف کو کچھ تبدیلیوں کے ساتھ فینیقیوں (Phoenicians) نے اور پھر دوسری اقوام نے اختیار کیا۔ قدیم عبرانی نے' جو عربی زبان کی ماں ہے' اور سامی الاصل زبان ہے' غالباً اسی تحریر سے نشوونما پائی تھی۔[۱]

کاغذ' اہلِ چین نے دوسری صدی عیسوی کے پہلے عشرے ہی میں ایجاد کیا۔ گویا یہ بہت ہی حال کی ایجاد ہے۔ کچھ تو اس لیے کہ وسائل تحریر بہت کم یاب تھے' لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد قدیم تہذیبی ادوار میں بھی بہت کم رہی ہے۔[۲] پھر طباعت کی ایجاد اور تحریر شدہ مواد کی اشاعت کثیر نے نہ صرف یہ ممکن بنا دیا کہ انسانی فکر کی اشاعت بہت کم وقت میں نہایت وسیع طور پر ہو جائے' بلکہ اسے محفوظ رکھنا بھی زیادہ آسان ہوگیا۔ تحریر کے یہ دو بڑے فائدے ہیں: ابلاغِ وسیع اور تحفیظِ فکر و خیال۔ پھر برقی' کہربائی ایجادات و فنیات نے اس سمت میں جو انقلاب برپا کیا ہے' اس نے حرف و صوت' آہنگ اور بصری و صوری ارتسامات کو ایک نئی جہت عطا کی ہے۔

لیکن اگر غور کریں' تو یہ ساری فنیات' خیال و فکر کی ترسیل کے ذرائع اور مقاصد ہی کے

گرد گھومتی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ دوسروں تک اپنے خیالات کی ترسیل کے لیے گفتگو کی اہمیت کبھی کم نہیں ہوئی' آج بھی اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے' یہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و احسان ہے' اسی لیے تو فرمایا ہے کہ "... اس نے انسان کی تخلیق کی' پھر اسے بیان' (یعنی اظہار خیال کا اسلوب) سکھایا" (الرحمٰن ۵۵ : ۴)۔

اس اہمیت کی بڑی وجہ تو یہ ہے کہ تحریر عموماً غیر شخصی اور غیر ذاتی ہوتی ہے' جبکہ تقریر اور گفتگو میں متکلم اور مخاطب کے درمیان بلاواسطہ شخصی تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب کے جن ملکوں میں خواندگی تقریباً سو فیصد ہے' وہاں بھی سیاسی کارکن' مبلغ' انقلابی' مصلح اور ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے قائدین نے عوام سے رابطے کے ذریعے کو فراموش نہیں کیا ہے۔ موثر گفتگو اور کلام ("بیان") زندگی کے بہت سے شعبوں میں کامیابی کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

مگر دل نشین اور پر تاثیر گفتگو اور خطابت ایک فن بھی ہے۔ دوسرے فنون کی طرح یہ بھی ایک خداداد عطیہ ہے' اگرچہ شعوری کوشش' محنت اور تربیت سے ایک شخص اپنے اظہار کو زیادہ موثر اور بہتر بنا سکتا ہے۔ ۳

## (۲)

### زبان کا مُوثر استعمال

خطابت' زبان کے موثر اور خوبصورت استعمال کو کہتے ہیں۔ ایک اچھا مقرر یا خطیب نہ صرف زبان پر پورا پورا عبور رکھتا ہے' بلکہ اسے الفاظ کے انتخاب اور برمحل استعمال کا سلیقہ بھی آتا ہے۔ ایک ہی معنی کے اظہار کے لیے مختلف متبادل الفاظ ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے موزوں ترین لفظ کا انتخاب' کلام میں حسن و تاثیر پیدا کر دیتا ہے۔ تشبیہ' استعارے اور حکایت یا تمثیل کا استعمال' جوش اور سکون' موقعہ کی مناسبت سے سامعین کے جذبات' عقل سے اپیل' آواز کا اتار چڑھاؤ' حرکات و سکنات اور اشارے' ایک اچھے خطیب کے کلام کو جادو بنا دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض کلام سحرانگیز ہوتا ہے۔

## (۳)

### انسانی کلام کی معراج

حضورؐ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے خطے اور ایسے عہد میں مبعوث ہوئے' جہاں

حسنِ بیان، فصاحت، ابلاغ اور خطابت کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ نہ صرف افراد، بلکہ بعض پورے پورے قبائل کو اپنی زبان دانی اور سخن طرازی کا گھمنڈ تھا۔ اس عہد اور ماحول کا یہ خصوصی تقاضا بھی تھا کہ آپؐ میں کلام اور ابلاغ کی صفات بدرجہ اتم موجود ہوں۔ پھر آپؐ کے مشن کا عمومی تقاضا بھی یہی تھا کہ آپؐ کا کلام، انسانی کلام کی معراج ہو۔ نہ صرف اپنے عہد کے لیے، بلکہ رہتی دنیا تک کے لیے کلام ہی وہ وسیلہ تھا، جس کے ذریعے آپؐ کو ایک پوری قوم کے عقائد، تصورات اور نتیجتاً" زندگی میں ایک کلی انقلاب برپا کرنا تھا، اور ایک ایسی امت تشکیل دینی تھی، جو ایک عالمی انقلاب کی راہ ہموار کرسکے۔ آپؐ کو "فصیح ترین عرب" کہا گیا۔ بجا طور پر آپ فصیح ترین انسان تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام سیرت نگار اس امر میں متفق ہیں کہ آپؐ کی گفتگو نہایت دل نشین اور موثر ہوا کرتی تھی۔ مکہ میں آپؐ کے بہت سے مخالفین آپؐ کو دیکھ کر اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے کہ مبادا آپؐ کا کلام کانوں سے ہوتا ہوا دل میں اتر جائے۔ آپؐ نے دعویٰ کیا کہ "انا افصح العرب و العجم" ---- یعنی میں عرب و عجم میں سب سے زیادہ فصیح اللسان ہوں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ و آثار، اور حدیث و روایت میں آپؐ کا جو کلام محفوظ رہ گیا ہے، وہ اپنی جامعیت، معنی آفرینی، اختصار، صحت اظہار، قادر الکلامی، انتخاب الفاظ اور تاثیر میں بے مثل ہے۔

آپؐ کے ہم عصر عربوں کو اپنی قادرالکلامی اور فصاحت کا ایسا گھمنڈ تھا کہ اپنے مقابلے میں دوسری اقوام کو "عجم" یعنی عاجز الکلام کہتے تھے۔ میلوں، ٹھیلوں، مذہبی تقریبات اور خصوصاً حج کے موقعے پر مختلف قبیلوں کے شاعر اور خطیب، عام مجمعوں میں اپنی شاعری کے سحر اور خطابت کے جلوہ جگاتے تھے، اپنے آباء و اجداد کی عظمت کے گیت گاتے، اپنی شجاعت، سخاوت، عاشقی اور توانائی کی داستانیں چھیڑتے، ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر داد فصاحت دیتے، اور خراج سماعت وصول کرتے تھے۔ قرآن مجید میں مناسک حج میں عرب جاہلیت کے اسی دستور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَ کُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا (البقرہ ۲:۲۰۰)

جب تم حج کے ارکان پورے کرچکو، تو اب اللہ کا ذکر اسی طرح کیا کرو، جس طرح تم اپنے آباء و اجداد کا ذکر کیا کرتے تھے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔

فصاحت اور قادرالکلامی سے عربوں کے شغف کے بارے میں استاذ احمد زیات کہتے ہیں:

عرب... بچپن ہی سے اپنے بچوں کی تربیت میں خطابت کا ملکہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کی دلی خواہش ہوتی تھی کہ ہر قبیلہ میں ایک مقرر (خطیب) اور ایک شاعر ہو' جو ان کی تقویت کا باعث اور ان کا ذکر بلند کرنے کا سبب ہو۔ چنانچہ کبھی کبھی یہ دونوں صفات ایک شخص میں بھی جمع ہو جاتی تھیں۔

اپنی تقریروں میں وہ دل نشین اسلوب' سحربیانی' سلیس عبارت' خوش نما الفاظ' صاف صاف باتیں' چھوٹے چھوٹے مسجع جملے اور زیادہ ضرب الامثال استعمال کرتے تھے۔ مضمون ذہن نشین کرانے اور ہر دل عزیز بنانے کے لیے تقریروں میں اختصار کو مدنظر رکھتے تھے۔ عربوں میں دستور تھا کہ مقرر اونچی جگہ کھڑے ہو کر' یا سواری پر بیٹھ کر تقریر کرتا' اثنائے تقریر میں ہاتھ ہلاتا' مناسب اشاروں سے مفہوم کو واضح کرتا۔ ہاتھ میں عصا یا نیزہ اور تلوار کا سہارا لینا' یا ان سے اشارہ کرنا بھی ان کے یہاں رائج تھا۔

وہ مقرر ان میں درجۂ قبولیت حاصل کرتا' جو خوش وضع و خوش شکل ہونے کے ساتھ ساتھ بلند آواز' خوش بیان' دلیر اور بے باک ہوتا۔ زمانہ جاہلیت میں ان کے مشہور قابلِ ذکر مقررین قیس بن ساعدہ الایادی' عمرو بن کلثوم التغلبی' اکثم بن صیفی التمیمی' حارث بن عباد البکری' قیس بن زہیر العبسی' عمرو بن معدی کرب الزبیدی تھے۔۵

عرب کے ان بڑے مقرروں میں قیس بن ساعدہ الایادی' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم عصر تھا۔ یہ نجران کا عیسائی پادری' عالم اور فلسفی تھا۔ کہتے ہیں کہ بالالتزام بلند جگہ پر کھڑے ہو کر خطبہ دینے' تیز تلوار کا سہارا لینے اور خطبہ میں "اما بعد" کہنے کی ابتدا اسی نے کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ عکاظ کے اجتماع میں اس کی تقریر سنی اور پسند فرمائی تھی۔ آپؐ نے فرمایا تھا' "خدا قیس پر رحم فرمائے' مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن وہ تنہا ایک قوم کی جگہ اٹھایا جائے گا" ۶۔ اس سے منسوب جو نثر ملتی ہے' وہ دل کش اور پر اثر ہے۔ دنیا کی بے ثباتی اور تغیراتِ عالم سے عبرت' اس کا خاص موضوع ہے۔

### عطیۂ خداوندی

اس پس منظر میں قرآنِ مجید اور حدیثِ قدسی کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ پاک ۵۷۱ء (۵۳ ق ھ) میں ہوئی۔ آپؐ کا مولد (مکہ) قدیم عرب کا بھی مقدس ترین شہر' اور سارے عربوں کی زیارت گاہ تھا۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے' عرب کا سب سے بڑا اجتماع اس زمانے میں بھی حج کے موسم میں ہوتا تھا۔ دور اور نزدیک سے ہزاروں انسان وہاں پہنچتے اور

مناسکِ حج اور تجارت کے ساتھ ساتھ تفریح اور تفاخر کے طور پر شعر اور سخن طرازی کی محفلیں بھی گرم ہوتیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یقیناً ان مجالس کے مشاہدے کے تجربے ہوئے ہوں گے۔ تاہم تاریخ میں کسی ایسی شخصیت کا سراغ نہیں ملتا' جس سے آپؐ نے کسب علم کیا ہو' یا جس کی محفل میں شریک ہوئے ہوں' یا صحبت اٹھائی ہو۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ آپؐ کے ہم عصر مخالفین بھی کسی ایسے شخص کی نشاندہی نہیں کر سکے جس سے آپؐ نے زبان دانی اور دانش میں فیض پایا ہو' کیوں کہ ایسے کسی شخص کا وجود تھا ہی نہیں۔ تبلیغِ اسلام کے ابتدائی دور' قیامِ مکہ کے زمانے میں مشرکینِ مکہ نے البتہ آپؐ پر یہ الزام لگایا تھا کہ قدیم تاریخ اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں آپؐ کا علم' بعض دوسرے لوگوں سے ماخوذ ہے:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (النحل ۱۶ : ۱۰۳)

ہمیں یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اسے تو ایک انسان سکھاتا پڑھاتا ہے۔ جس کی طرف یہ سکھانے کی نسبت کرتے ہیں' اس کی زبان تو عجمی ہے' جب کہ یہ صاف عربی زبان ہے۔

معاصر مشرکین (اور بعد کے بعض غیر مسلم "محققین") نے آپؐ کی طرف جن "معلمین" کی نسبت کی ہے' وہ سب غیر عربی' رومی یا عجمی غلام تھے۔ ان میں سے ایک صاحب خویطب بن عبدالعزیٰ کے غلام تھے' جن کا نام عائش یا یعیش تھا۔ یہ اسلام لے آئے تھے' اور اچھے مسلمان تھے' یہ قدیم مذہبی کتب بھی پڑھا کرتے تھے اور یوں عرب کے ان چند لوگوں میں سے تھے جو پڑھنا جانتے تھے۔ پھر کسی نے عامر بن الحضرمی کے غلام جبر کا نام لیا اور کسی نے یسار نامی غلام کو بھی انہی "معلمین" کی فہرست میں شامل کیا۔ موخر الذکر دونوں رومی غلام تھے' اور مکہ میں تلواریں بنایا کرتے تھے۔ یہ تورات اور انجیل کی تلاوت کرتے تھے۔ گویا عیسائی تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوتا تو آپؐ ٹھہر جاتے اور سنتے۔ بعض نے سلمان فارسیؓ کی طرف بھی نسبت کی ہے۔ یہ بھی ایرانی غلام تھے۔ سے

یہ بات قابلِ غور ہے کہ وہ سارے لوگ جن پر مخالفین نے آپؐ کے معلم ہونے کا شبہ ظاہر کیا ہے' غیر عربی' غلام یعنی دوسرے درجے کے شہری تھے۔ اصل بات یہ ہے دعوت کے ابتدائی دور میں اس کی قبولیت اور پذیرائی سب سے زیادہ جس طبقے میں ہوئی' وہ یہی مظلوم کچلے ہوئے لوگ تھے' نہ کہ امراء و مترفین' اور یہ لوگ تو پڑھے لکھے بھی تھے' اس لیے آپؐ کا ان پر توجہ دینا

یقیناً فطری امر ہوگا' جسے مخالفین نے ایک دوسرا ہی رنگ دے دیا۔

ان لوگوں کی طرف معلم ہونے کی نسبت کئی وجوہ سے لغو اور ناقابلِ قیاس ہے۔ پہلی دلیل تو وہی ہے' جو قرآن مجید نے خود دی ہے کہ ان سب کی زبان عجمی تھی' جبکہ قرآن کی زبان بہترین عربی ہے' جو ہمیشہ کے لیے عربی زبان کی فصاحت کا معیار بن گئی ہے۔ دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ ایسے لوگ' جو خود آپؐ کو سکھاتے پڑھاتے ہوں' آپؐ پر ایمان کس طرح لا سکتے تھے؟ یہ تمام لوگ' جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں' عربوں کے سماجی اور معاشی نظام میں نچلے طبقے سے تعلق رکھتے تھے' اور اپنے نئے دین کی خاطر انھوں نے اپنے آقاؤں کی ناراضگی مول لے لی تھی۔ جو شخص انھی کی مہیا کی ہوئی معلومات کو اپنا الہام بنا کر پیش کر رہا ہو' اس کی خاطر وہ آلام و مصائب کیوں برداشت کرتے؟ یہ مسلمان جن دکھوں اور تکلیفوں سے گزرتے تھے' انھوں نے ان کے اخلاص پر تو ضرور مہر لگا دی تھی۔ ان لوگوں کے بارے میں اور جو کچھ بھی کہا جائے' انھیں افترا کرنے والا یا افترا میں حصہ لینے والا کوئی نہیں کہہ سکتا۔[۸] خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ وہ خود شہادت دیں کہ ہم تو خود آپؐ سے سیکھتے ہیں۔[۹]

حقیقت تو یہ ہے کہ نہ صرف آپؐ کی تعلیمات اور ان کے فکری مشمولات' بلکہ فصاحت' زبان دانی اور خطابت' سب عطیۂ خداوندی تھیں۔ اور اس لحاظ سے بلاشبہ آپؐ تلمیذ الرحمٰن تھے۔ زبان پر قدرت کے تو سب مادی اسباب بھی مہیا تھے' مثلاً یہ کہ آپؐ قریش کے خاندان بنو ہاشم میں پیدا ہوئے تھے' جن کی عربی' سارے عرب میں معیاری زبان شمار ہوتی تھی۔ آپؐ کا ننھیال بنی زہرہ میں تھا' آپؐ کا بچپن بنی سعد میں گزرا تھا' اور یہیں آپؐ نے دودھ پیا تھا' اس لیے آپؐ کی زبان پر ان کا بھی اثر تھا۔ آپؐ کی شادی بنی اسد میں ہوئی (حضرت خدیجہؓ) اور مہاجرت بنی عمرو (اوس و خزرج) میں۔ ان سارے قبیلوں کی عربی معیاری تھی۔ بنی سعد بن بکر' جہاں آپؐ کی ابتدائی پرورش ہوئی' علیا ہوازن میں شمار ہوتے تھے' اور یہ عرب کے فصیح ترین قبائل کہلاتے تھے۔ اسی لیے آپؐ نے فرمایا کہ "میں عرب کا سب سے زیادہ فصیح البیان ہوں' اس لیے کہ میں قریشی ہوں' اور بنی سعد میں پلا ہوں۔" لیکن آپؐ کی لائی ہوئی تعلیمات اور مجوزہ نظامِ حیات کے لیے ایسے دنیاوی مصادر بھی نہیں ملتے جہاں سے کسبِ فیض کا شبہ کیا جاسکے۔(جاری)

حوالے:

۱- حال کے بعض محققین کی رائے کچھ مختلف ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ دراصل قدیم عربی' عبرانی زبان کی ماں

ہے۔ عبرانی، عربی ہی کی ایک شاخ ہے۔

۲ - اس حقیقت کا اعتراف غیر مسلم مورخین نے بھی کیا ہے کہ بڑے پیمانے پر عوام کو نوشت و خواند سے آشنا کرنے کا کام مسلمانوں ہی نے کیا۔ اگرچہ چھٹی صدی عیسوی میں چین میں کاغذ کا رواج ہو چکا تھا، تاہم مغربی ایشیا اور یورپ میں کاغذ کا تعارف آٹھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں ہی کے ہاتھوں ہوا۔

۳ - قدیم مغرب کے عظیم ترین مقرر ڈیما ستھینز (Demosthenes) م ۳۲۲ ق م، کی زبان میں لکنت تھی۔ مقدونیہ کے شاہ فلپ نے اس کے شہر ایتھنز پر قبضہ کیا تو یہ عاجز بیان عام شہری اسے برداشت نہ کرسکا۔ وہ منہ میں کنکر رکھ کر سمندر کے کنارے گھنٹوں تقریر کی مشق کرتا۔ قدیم کلاسیکی ادب پر عبور حاصل کرنے کے لیے اس نے ان ادب پاروں کو تقریباً حفظ کرلیا تھا اور پھر اپنی خطابت سے اس نے شاہ فلپ کے خلاف ایتھنز کے شہریوں میں آگ لگا دی تھی۔

۴ - شبلی نعمانی: سیرۃ النبی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۷۹ء جلد دوم، ص ۲۳۵ کے مطابق "انا افصح العرب"

۵ - تاریخ الادب العربی (ترجمہ عبدالرحمن طاہر سورتی)، شیخ غلام علی، لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۵۳-۵۲۔

۶ - محمود شکری آلوسی نے بلوغ الارب (اردو ترجمہ و تحشیہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، مرکزی اردو بورڈ، لاہور) نے بھی عرب کے خطبائے عہد جاہلیت کا تذکرہ کیا ہے (ج ۳ ص ۱۹۸ - ۳۰۴)۔ فاضل مصنف نے بطور نمونہ ان کے چند خطبے بھی دیے ہیں، ساتھ ہی ابتدائی اسلام کے بعض خطبا کی تقریریں بھی درج کی ہیں۔

۷ - محمود بن عمر زمخشری: الکشاف عن حقائق و غوامض التنزیل، مطبع مصطفیٰ محمد، ۱۳۵۷ھ، ج ۲، ص ۳۲۳

۸ - محمد علی: بیان القرآن، مطبع کریمی لاہور، ۱۳۴۱ھ، ج ۲، ص ۱۰۹۸

۹ - زمخشری، ایضاً، ج ۲، ص ۳۲۳

---

**اظہار تعزیت**

جماعت اسلامی لاہور کے رکن اور دین اسلامک پبلشرز کے ڈائریکٹر محمد عثمان شمسی صاحب کے والد محترم حاجی محمد عمر صاحب تنی تال والے گزشتہ دنوں انتقال کر گئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

ادارہ ترجمان القرآن محمد عثمان شمسی صاحب کے والد گرامی کی رحلت پر تعزیت کا اظہار کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

تزکیہ و تربیت

# دنیا اور آخرت

## افادات مولانا اشرف علی تھانویؒ

### اہمیتِ اعمال

نیکیوں کی قدر ہم کو آخرت میں ہوگی کیونکہ یہ وہیں کا سکہ ہے۔ وہاں آپ کے یہ روپے پیسے کام نہ دیں گے' اور وہاں سب کو جانا ہے۔ اس میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہو سکتا۔ جب بازارِ قیامت قائم ہوگا' وہاں بھی دو قسم کے لوگ ہوں گے۔ ایک وہ جو کہ وہاں کا سکہ یعنی نیکیاں پلے باندھ کر لائے ہیں' وہ تو بے تکلف ہر قسم کی راحت حاصل کرلیں گے۔ دوسرے وہ لوگ جو اپنی غفلت کی وجہ سے آخرت کو بھولے ہوئے تھے' اور اس وجہ سے کچھ نیکیوں کا ذخیرہ ساتھ باندھ کر نہیں لائے۔

صاحبو' وہاں بجز اعمالِ صالحہ کے کچھ کام نہ آئے گا۔ اور یہ بھروسہ نہ کرنا کہ ہمارے ماں باپ بہت نیک تھے' ان سے کچھ نیکیاں بٹوا لیں گے۔ وہاں کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔

حدیث شریف میں ایک شخص کا واقعہ مذکور ہے۔ قیامت کے دن اس کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی۔ وہاں کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر نیکیاں زیادہ ہوں تو جنتی ہے اور بدیاں زیادہ ہوں تو دوزخی ہے' اور دونوں برابر ہوں تو چندے اعراف میں رکھا جائے گا۔ اس قاعدہ کے موافق اس شخص سے ارشاد ہوگا کہ اگر ایک نیکی کہیں سے تم کو مل جائے تو جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ وہ شخص خوش ہوگا کہ میرے تو ماں باپ' بیوی بچے' دوست احباب بہت سے ہیں' کسی سے ایک نیکی کا مل جانا کیا دشوار ہے۔ چنانچہ وہ جائے گا اور جاکر باپ سے اپنی حالت عرض کرے گا کہ مجھے ایک نیکی کی ضرورت ہے' تم میرے باپ ہو' میرے حال پر رحم کرو' ایک نیکی دے دو۔ وہ صاف جواب دے گا کہ یہاں ہم کو اپنی جان کی پڑی ہے' تجھے ایک نیکی کیسے دے دوں۔ ماں بھی اسی طرح جواب دے دے گی۔ اولاد بھی ٹکا سا جواب دے دے گی۔ دوست احباب بھی دور کی

سنائیں گے۔ آخر نہایت مایوس ہو کر لوٹے گا۔

صاحبو، مگر وہ عجیب دربار ہے۔ وہاں ذرا ذرا سی بات پر بخشش بھی ہو جاتی ہے۔ ایک اور شخص کا قصہ حدیث میں آیا ہے کہ اس کے پاس کوئی نیکی نہ تھی۔ سوائے اس کے کہ اس نے ایک دن راستہ میں سے کانٹا ہٹا دیا تھا، جو ظاہر ہے کہ بہت ہی ذرا سی بات ہے۔ مگر حق تعالیٰ کے یہاں اس کی بھی قدر ہوئی، اور اس کو اسی بات پر بخش دیا گیا۔ صاحبو، نیک کام کو، چاہے کتنا ہی ذرا سا ہو، حقیر نہ سمجھو۔ بعض دفعہ ذرا سی بات قبول ہو جاتی ہے، اور بڑے بڑے عمل، جن پر ناز تھا، رکھے رہ جاتے ہیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو کسی دوسرے بزرگ کو کشف ہوا یا خواب میں دیکھا کہ ان سے سوال ہو رہا ہے کہ ہمارے واسطے کیا عمل لے کر آئے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ اور تو کچھ نہیں، توحید لے کر آیا ہوں۔ ارشاد ہوا، جھوٹا ہے۔ توحید بھی تیری درست نہیں۔ دودھ والی رات کا قصہ یاد کرو۔ دودھ والی رات کا قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک روز دودھ پینے سے پیٹ میں درد ہو گیا تھا تو انھوں نے کسی سے یہ کہا کہ دودھ سے درد ہو گیا ہے۔ تو یہ باز پرس ہوئی کہ تم نے دودھ کو موثر قرار دیا، حالانکہ موثر ہم ہیں۔ یہ کیسی توحید ہے! جب توحید بھی غلط ثابت ہوئی تو وہ بزرگ بہت پریشان ہوئے۔ پھر ارشاد ہوا کہ تم اپنے قول کے موافق دوزخ کے مستحق ہو چکے، کیونکہ تمھارے اقرار میں تمھارے پاس صرف ایک نیکی تھی اور وہ بھی غلط ثابت ہوئی۔ اب سنو، ہم تم کو کس بات پر بخشتے ہیں۔ ایک رات تم نے ایک بلی کے بچے کو سردی سے کانپتا دیکھا تھا اور تم نے اس پر رحم کھا کر لحاف ڈال دیا تھا، جس پر اس نے تم کو دعا دی۔ وہ دعا اس بلی کے بچے کی ہم نے قبول کرلی، اور تم کو اس کی دعا پر بخشا جاتا ہے۔

## ارادہ کی اہمیت

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۱۸ - ۱۹)

ان آیتوں میں ایک بہت بڑی چیز کا ذکر ہے، اگرچہ وہ بظاہر چھوٹی معلوم ہو۔ یعنی دنیا کا ارادہ کیا جائے تو اس کا کیا ثمرہ ہے، اور آخرت کا ارادہ کیا جائے تو اس کا کیا نفع ہے۔

واقعتاً ارادہ ایسی چیز ہے، جس کو ہم بہت ہی معمولی اور سرسری سمجھتے ہیں، مگر یہ سرسری چیز ایسی ہے جیسے گھڑی کی بال کمانی۔ دیکھنے میں تو ذرا سی چیز ہے، مگر گھڑی کے چلنے کا دارومدار اسی پر

ہے۔ وجہ اس بے قدری کی یہ ہے کہ ارادہ ایک غیر حسی چیز ہے' اس لیے ہم کو اس کی قدر نہیں۔ مگر واقع میں فکر و ارادہ وہ چیز ہے جس کے ترک کر دینے سے ہمارے سب حال بگڑ گئے' اور بہت سے اللہ والوں کے حالات و مقامات اس کی بدولت درست ہو گئے۔ صاحبو' ارادہ بہت بڑی چیز ہے' اس کو حقیر نہ سمجھا جائے۔ دنیا کے بھی سارے کام اس کی بدولت چلتے ہیں۔ یہ بہت بڑی قوت ہے جو انسان میں رکھی ہوئی ہے۔

اب جانو کہ ارادہ فی نفسہٖ نہ کوئی بری شے ہے نہ اچھی۔ یہ اپنے حسن و قبح میں موقوف ہے اپنے مضاف الیہ پر' یعنی مراد پر۔ اگر اچھے کام کا قصد کیا جائے تو وہ ارادہ عمدہ ہے' اور برے کام کا قصد کیا جائے تو وہ ارادہ برا ہے۔ اچھے ارادہ پر ثواب ملے گا اور برے ارادہ پر' اگر پختہ ارادہ ہو جائے گا' گناہ لکھا جائے گا۔ اس سے بھی ارادہ کی عظمت معلوم ہو گئی۔ کیونکہ کسی عمل پر جزا و سزا ارادہ کے بغیر مرتب نہیں ہوتی۔ ارادہ پر عمل کے بغیر بھی گناہ و ثواب لکھا جاتا ہے۔ اگر بغیر ارادہ کے کوئی گناہ بھول چوک سے ہو گیا تو وہ معاف ہے۔

### تمنا' ارادہ نہیں

سو' ارادہ کی مسلمانوں میں آج کل بہت ہی کمی ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں کام ہم نے بہت ہی کرنا چاہا' مگر نہیں ہوا۔ میں بہ قسم کہتا ہوں کہ ان لوگوں نے اس کا ارادہ ہی نہیں کیا' صرف تمنا ہی تمنا کی۔ ارادہ اس کا نام ہے کہ جس اختیاری کام کا خیال کریں' اسی کی دھن لگ جائیں اور اپنی پوری کوشش اس میں صرف کر دیں۔ ایسا کر کے پھر کوئی بتلائے کہ کام نہیں ہوا۔ اور اس کے بعد بھی کام نہ ہوا کرے تو دنیا کا کام کیوں کر چلے۔ اس لیے جو شخص یوں کہے کہ میں نے ارادہ کیا اور پھر بھی کام نہیں ہوا' میں اس کو کبھی تسلیم نہ کروں گا۔ بلکہ اس سے یہی کہا جائے گا کہ تم نے اس کام کی تمنا تو کی' ارادہ نہیں کیا۔

صاحبو' انسان میں ارادہ وہ قوت ہے کہ اس کے ساتھ وہ تمام مخلوق پر غالب آسکتا ہے۔ صاحبو' تمہارے ساتھ دو لشکر ہیں۔ ایک ملائکہ کا اور ایک شیاطین کا' اور ان دونوں میں مقابلہ رہتا ہے۔ ایک چاہتا ہے کہ تم کو بدی سے بچائے۔ دوسرا چاہتا ہے کہ تم کو گناہ میں پھنسائے۔ ان لشکروں کی ہار جیت تمہارے ارادہ پر موقوف ہے۔ جس کی طرف تمہارا ارادہ ہو جائے وہی غالب ہو جائے گا۔ اگر آپ نے گناہ کا ارادہ کر لیا تو لشکرِ ملائکہ پسپا ہو گیا' اب وہ غالب نہیں ہو سکتا۔ اگر گناہ سے بچنے کا ارادہ کر لیا تو لشکرِ شیطان مغلوب ہو گیا' اب وہ کبھی غلبہ نہیں کر سکتا۔ افسوس! آپ میں اتنی بڑی قوت موجود ہے اور پھر آپ یوں کہتے ہیں کہ ہم گناہ چھوڑنے سے عاجز ہیں۔

صاحبو، آپ عاجز ہرگز نہیں۔ ہاں یوں کہیے کہ ابھی تک چھوڑنے کا ارادہ نہیں کیا۔ اور ارادہ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ گناہ کی عظمت اور اس کا خوف دل میں نہیں۔ گناہ کو ایک معمولی چیز سمجھ رکھا ہے' اور جس گناہ کی عظمت دل میں ہے' اس میں کسی طرح کی بھی کوئی تاویل منہ سے نہیں نکلتی۔ کیوں صاحب' اگر کوئی ڈاکو کہنے لگے کہ میں اپنے عیال کو بغیر ڈاکہ کے پال نہیں سکتا تھا' اس لیے کہ آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہے' تو کیا حاکم اس کا یہ عذر قبول کرلے گا اور کیا اس کو سزا نہ دے گا؟ حاکم صاف کہہ دیتا ہے کہ ہم یہ باتیں نہیں سننا چاہتے۔ تم نے خلافِ قانون کام کیا ہے' تم کو پھانسی دی جائے گی۔ اے اللہ کے بندو' ایک جواب حاکم دنیا کے سامنے نہیں چل سکتا' وہ خدا کے سامنے پیش کرتے ہوئے کچھ تو شرمانا چاہیے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس آیت میں ارادہ کا بیان ہے' اور متعلق کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں۔ محمودہ و مذمومہ۔ ان دونوں کے احکام اس آیت میں مذکور ہیں اور اس وقت میں انھی کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔ غور سے سنیے۔

## طلبِ دنیا کی حقیقت

جو کوئی عاجلہ کا' یعنی دنیا کا' ارادہ کرتا ہے' اس کو ہم جلدی' اسی جگہ' جو چاہیں' اور جس کے لیے چاہیں' دے دیتے ہیں۔ ذرا قیود پر غور کیجیے۔ دنیا کے طالب کو دنیا عطا فرمانے کا پختہ وعدہ نہیں فرماتے' بلکہ اتنی قیدیں ہیں کہ مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ یعنی جتنا ہم چاہیں' اور جس کے لیے چاہیں' عطا کریں گے۔ معلوم ہوا کہ ہر طالب دنیا کا مراد کو پہنچنا لازم اور ضروری نہیں۔

حالت یہ ہے کہ دنیائے فانی کو اختیار کرنے سے تو بعض اوقات آخرت کا حصہ بالکل نہیں ملتا' جیسے کہ کفار کو۔ اور آخرت اختیار کرنے سے یہ نہیں ہوتا کہ دنیا بالکل نہ ملے' بلکہ آخرت اختیار کرنے والے کو دنیا بھی ملتی ہے۔ اگرچہ بقدر ضرورت و آسائش ملتی ہے۔ گو زیادہ نہ ملے' مگر وہ اس تھوڑی ہی دنیا سے وہ لطف حاصل کرتے ہیں کہ طالبان دنیا کو باوجود کثرت مال کے وہ لطف حاصل نہیں ہوتا۔ مگر طلب دنیا کے ساتھ آخرت اس طرح نہیں مل سکتی۔ تو اب بتایئے کہ طالب دنیا ہونا عقلمندی ہے یا طالب آخرت ہونا۔ جب کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا ایسی حقیر ہے کہ اگر آخرت سے محرومی کی صورت میں اس کے ملنے کا پورا بھروسہ بھی ہوتا جب بھی وہ لینے کے قابل نہ تھی' چہ جائیکہ آخرت چھوڑ کر دنیا کے ملنے کا پورا بھروسا بھی نہ ہو۔

## طلبِ آخرت

اب ذرا دونوں مضمونوں میں غور کرلیا جائے کہ طلبِ دنیا و طلبِ آخرت دونوں کے ثمرات

کو کس طرح بیان کیا گیا ہے۔

طالبِ دنیا کی بابت تو ارشاد ہے' عَجَّلْنَا لَهٗ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُّرِيدُ۔ یعنی معلوم ہوا کہ نہ سب کا کامیاب ہونا ضروری ہے' اور نہ یہ ضروری کہ جو وہ چاہا کریں وہی مل جائے۔ بلکہ جو حق تعالیٰ چاہیں گے' دے دیں گے۔

اور طالبانِ آخرت کے متعلق ارشاد ہے' اُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا' جو آخرت کی طلب' کوششِ عملی اور ایمان کے ساتھ کرتے ہیں' ان کی کوشش کی قدر کی جائے گی۔

ایمان اور سعی کی قید واقعی ہے' احترازی نہیں۔ اور یہ دراصل بیان ہے مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ کا۔ ارادۂ آخرت کہتے ہی ہیں ایمان اور عمل صالح میں سعی کرنے کو۔ کیونکہ اس کے بغیر طلب آخرت متحقق ہی نہیں ہو سکتی ہے۔ اور یہاں سے رد ہو گیا ان لوگوں کا جو کہ اپنے کو طالب آخرت سمجھتے ہیں' مگر عملِ صالح نہیں کرتے۔ دراصل یہ لوگ طالبِ آخرت ہی نہیں۔ طلب کے لیے علامت بھی چاہیے۔ طلب آخرت کی علامت یہی ہے کہ ایمان اور عملِ صالح اختیار کیا جائے۔

میں نے یہ مضمون کہ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ قید واقعی ہے' اس لیے بیان کیا تاکہ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس آیت میں جو ثمرہ ارادۂ آخرت کے متعلق مذکور ہے' وہ صرف ارادہ کا ثمرہ کہاں ہے' بلکہ سعی اور ایمان اور ارادہ اس سب مجموعہ کا ثمرہ ہے' اور دعویٰ تمہارا ارادۂ آخرت کے ثمرہ کا ہے۔ تو اس تقریر سے یہ شبہ زائل ہو گیا۔ کیونکہ میں نے بتلا دیا کہ یہ قیدِ واقعی ہے' اور یہ ارادہ کا بیان اور اس کی شرح ہے۔

رہا یہ سوال کہ پھر اس کے مقابل ارادۂ عاجلہ کی تفسیر کیوں نہ بیان کی گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ارادۂ آخرت کی اس تفسیر سے مقصود یہ ہے کہ ارادۂ آخرت کا سہل ہونا معلوم ہو جائے' کہ اس میں معمولی سعی اور ایمان کی ضرورت ہے' تاکہ اس کے بعد آخرت کی طلب کے لیے رغبت دل میں پیدا ہو۔ بخلاف ارادۂ دنیا کے کہ اس کی ترغیب مقصود نہیں۔ اس لیے اس کی تفسیر بیان نہیں فرمائی۔ علاوہ ازیں یہ کہ ارادۂ آخرت کی تفسیر کے متعلق تو لوگ غلطی میں مبتلا ہیں۔ کوئی کسی طریقہ کو طلب آخرت سمجھتا ہے' کوئی کسی طریقہ کو۔ اس لیے اس کی تفسیر کی ضرورت تھی۔ اور ارادۂ دنیا کو تو ہر شخص سمجھتا ہے' اس کے بیان کی حاجت نہ تھی۔

پس ارادہ دنیا و آخرت میں ایک تو فرق یہاں یہ بتلایا گیا کہ طلب دنیا سے یہ کچھ ضرور نہیں کہ وہ مطلوب حاصل ہی ہو جائے' اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر ایک کو حاصل ہو جائے۔ اور

طلبِ آخرت کی ہمیشہ قدر ہوتی ہے۔ وہ ضائع نہیں ہو سکتی۔ دوسرا ایک لطیف اشارہ ایک خاص فرق کی طرف اس آیت میں اور بھی ہے' جو اسی وقت سمجھ میں آیا ہے اور ابھی تک اس آیت کی تفسیر میں نظر سے نہیں گزرا۔ ممکن ہے کسی نے لکھا بھی ہو۔ وہ یہ کہ اس جگہ دو جملے شرطیہ ہیں اور ہر ایک میں شرط کا تعلق جزا کے ساتھ مختلف عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ ارادۂ دنیا کی بابت تو ارشاد ہے' مَنْ كَانَ يُرِيْدُ۔ یہ صیغۂ استمرار ہے۔ ترجمہ یہ ہوا کہ جو کوئی دنیا کو طلب کرتا رہے اور ہمیشہ طلب میں منہمک رہے' تب کچھ ملتا ہے۔ اور ارادۂ آخرت کے متعلق مَنْ اَرَادَ بغیر لفظ كَانَ کے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ثمرۂ اخروی حاصل ہونے کے لیے طلب میں مرنا کھپنا نہیں پڑتا' بلکہ کچھ ارادہ کرنے سے بھی وہ ثمرہ حاصل ہو جاتا ہے۔

اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ طالب آخرت کا ارادہ اور طلب مستمر نہیں ہوتا' اور کچھ دنوں کے بعد وہ زائل ہو جاتا ہے۔ نہیں' حقیقت میں تو وہ بھی مستمر رہتا ہے۔ مگر تھوڑی سی سعی و طلب کے بعد مستمر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ محبتِ الٰہی پیدا ہو جانے کے بعد وہ ارادہ خود بخود پیدا ہوتا رہتا ہے۔ اگرچہ پیدا اختیار سے ہوتا ہے' مگر بوجہ اعانت غیبی کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود بدون اختیار کے پیدا ہو رہا ہے۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آخرت کی طلب محبوبِ سرکار ہے۔ اس میں سعی کرنے والے کی اس طرح سے امداد ہوتی ہے جس سے وہ بالکل سہل ہو جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے :

**من تقرب الی شبرا جئت الیہ ذراعا ومن تقرب الی ذراعا' تقربت الیہ باعا' ومن اتانی یمشی' اتیتہ ھرولۃ۔**

اور دنیا مردودِ بارگاہِ الٰہی ہے۔ اس میں ہمیشہ دقت و تعب ہی رہتا ہے۔ اس کے لیے ہمیشہ اہتمام و انہماک از خود کرنا پڑتا ہے' اور یہ طلب ہمیشہ بتکلف از سرِ نو پیدا کرنا پڑتی ہے۔

پس حقیقتاً تو دونوں ارادے مستمر ہوتے ہیں۔ مگر سہولت و اعانت غیبی کی وجہ سے ارادۂ آخرت گویا مستمر نہیں رہا' بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا خود بخود اس کے دل میں ان اعمال کا تقاضا پیدا کر دیتا ہے۔ اور ارادۂ دنیا حقیقتاً اور حکماً دونوں کے اعتبار سے مستمر ہے۔ اس لیے اس کے ساتھ كَانَ استمرار کے لیے بڑھایا گیا اور ارادۂ آخرت کے بیان میں کان نہیں بڑھایا گیا۔

شرح اس سہولت و اعانت کی یہ ہے کہ طلبِ آخرت میں قدرے سعی کرنے سے جب نسبت مع اللہ پیدا ہو جاتی ہے' تو اس سے ایک کیف اور حال ایسا پیدا ہو جاتا ہے جو ہر مشکل کو آسان کر دیتا ہے۔ وہ کیف نسبت مع اللہ کا ایسا ہوتا ہے کہ اس کے بعد کام نہ کرنا دشوار ہو جاتا

ہے' کام کرنا کچھ دشوار نہیں رہتا۔ اس طریق میں کچھ باطنی مشقت پیش بھی آتی ہے تو وہ اس سے بددل نہیں ہوتے' بلکہ اس میں بھی ان کو بڑا لطف آتا ہے۔ اسی کی بابت ارشاد ہے ۔ از محبت تلخہا شیریں بود۔

اور اس نسبت مع اللہ سے اور سب کام تو آسان ہو ہی جاتے ہیں۔ جو سب سے بڑی خوفناک چیز ہے' جس سے سب لوگ ڈرتے ہیں' یعنی موت' وہ بھی ان کے لیے ایسی خوشگوار ہو جاتی ہے کہ اس کی یہ لوگ تمنائیں کرتے ہیں۔

طالبِ آخرت کا ارادہ اگرچہ مستمر ضرور ہوتا ہے' مگر بوجہ سہولت و اعانت غیبی کے گویا وہ بالکل ارادہ ہی نہیں کرتا۔ سب کام بغیر اس کے ارادہ کے ہوتا رہتا ہے۔ مگر میرا مطلب یہ نہیں کہ ان سے کبھی گناہ نہیں ہوتا یا یہ معصوم ہیں۔ نہیں' بلکہ تقاضا معصیت کا ان کو بھی ہوتا ہے' کیونکہ نفس ان کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے۔ مگر ان کے تقاضے کی اور دوسروں کے تقاضے کی ایسی مثال ہے' جیسے کہ ایک تو شائستہ گھوڑا شرارت کرے کہ اس کو ذرا سی چمکار میں سیدھا کرلیتے ہیں' اور ایک غیرشائستہ گھوڑا شرارت کرے کہ وہ نہ مارنے سے سیدھا ہوتا ہے نہ چمکارنے سے۔ وہ جب شرارت کرتا ہے' سوار کو پٹک دیتا' اور زین کو بھی پھینک دیتا ہے۔ تو اب یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ گھوڑا شائستہ ہونے کے بعد بھی کبھی شرارت کرنے پر آتا ہے' مگر وہ سیدھا ہو جاتا ہے۔ اہل نسبت کی ایسی ہی مثال ہے۔ یہی لوگ ہیں جو پل صراط پر برق کی طرح جائیں گے۔ کیونکہ پل صراط' شریعت کی صورت مثالی ہے۔ جو لوگ دنیا میں شریعت پر بہ سہولت چلتے تھے' اور شریعت پر چلنا ان کو ایسا آسان اور خوشگوار ہر گیا تھا جیسا کہ دوسروں کو کھانا پینا سونا' یہ لوگ پل صراط پر بھی باسانی گزر جائیں گے۔

اب اس آیت میں چند نکات سمجھیے جو اس وقت ذہن میں ہیں۔

ایک نکتہ یہ ہے کہ فرمایا گیا ہے' فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَن نُّرِيدُ کہ طالبان دنیا میں سے ہم جس کو چاہیں' اور جس قدر چاہیں' عطا کردیتے ہیں۔ اس کا مقتضا یہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں طالبان آخرت کے لیے یہ فرمایا جاتا کہ ہم طالب آخرت کو جو کچھ وہ چاہے گا وہی دیں گے۔ کیونکہ جب دنیا والوں کے لیے یہ فرمایا گیا کہ ان کو جو ہم چاہیں گے وہ دیں گے' تو بظاہر اس کے مقابل طالبین آخرت کے لیے فضیلت پوری اس طرح معلوم ہوگی کہ ان کو ان کی طلب کے موافق سب کچھ دیا جائے۔ مگر بخلاف اس کے اس آیت میں ما یشاء نہیں فرمایا گیا' بلکہ بجائے اس کے أُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا فرمایا گیا۔

تو بات یہ ہے کہ اگر اس جگہ حق تعالیٰ اہل آخرت کے بارہ میں یہ ارشاد فرماتے کہ ان کو جو کچھ وہ چاہیں گے وہی دیا جائے گا' تو اس میں درحقیقت کچھ زیادتی نہ ہوتی' بلکہ وعدہ گھٹ جاتا۔ کیونکہ نعمائے آخرت کی شان یہ ہے' مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر' یعنی نہ ان کو آنکھوں نے دیکھا' نہ کان نے سنا' نہ کسی بشر کے قلب پر خیال گزرا۔

تو بتایئے کہ جب وہاں کی نعمتوں کا یہ حال ہے' تو اگر یہ فرمایا جاتا کہ طالبینِ آخرت کو جو کچھ وہ چاہیں گے' دیا جائے گا' اس سے زیادتی ہوتی یا کمی؟ بہت کمی ہو جاتی کیونکہ وہاں کی نعمتوں کا ہم کو وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ پھر ہماری خواہش کے موافق جو ہم کو ملتا وہ تو بہت ہی کم ہوتا۔ حق تعالیٰ شانہ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ ہمارے واسطے انھوں نے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کا ہم کو گمان بھی نہیں ہو سکتا' اور وہاں کا ثواب ہماری خواہش پر موقوف نہیں۔ فرمایا' بلکہ اپنی رحمت سے' خواہش سے بہت زیادہ' عطا فرمائیں گے۔

اب آپ نے سمجھا کہ ما یشاء نہ فرمانا ہی ہمارے لیے رحمت ہے۔ اس وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے اجمالاً فرما دیا' أُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا' یعنی ان لوگوں کی کوشش کی اس دربار میں قدر ہوگی۔ اسی سے سمجھ جاؤ کہ جن کی کوشش کی قدردانی ایسے عظیم الشان قدردان بادشاہ کے دربار میں ہو ان کو کیا کچھ ملے گا۔ اس کا اندازہ اس سے کر لو کہ بادشاہان دنیا جب کسی کی قدر دانی کرتے ہیں تو اس کے ساتھ کیسا معاملہ کرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں کیا کرتے کہ خدمت کی حیثیت پر انعام و اکرام کریں' بلکہ وہ اپنی حیثیت کے موافق انعام و اکرام کیا کرتے ہیں' جس کا اس کو وہم بھی نہیں ہوتا۔ پھر جس کی قدردانی حق تعالیٰ شانہٗ اپنی عظمت کے موافق فرمائیں گے' اندازہ کرلو' اسے کیا کچھ ملے گا۔ اس وقت اس کی تفصیل سمجھ میں نہیں آسکتی۔

دوسرا اشارہ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا میں ہے کہ یہ کلام اس سعی کے سہل ہونے پر دال ہے۔ جیسا کہ اردو محاورہ میں بھی بولا جاتا ہے کہ اس کام کے لیے جو تدبیر ہے' وہ کرنی چاہیے۔ اس تدبیر کو بیان نہ کرنا' اور اجمالاً یہ کہہ دینا کہ جو تدبیر اس کی ہے وہ کرنی چاہیے' اس سے اس تدبیر کا معلوم ہونا اور سہل ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو کلام یہاں پر وارد ہوا ہے' اس سے اس سعی کا معلوم ہونا اور سہل ہونا سمجھا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ سعی مختصر اور مشتہر ہے' بیان کی ضرورت نہیں۔

تیسرا اشارہ مَّشْكُورًا میں اس بات کی طرف ہے کہ جو کچھ آخرت میں ملے گا وہ محض قدردانی ہے' عمل کو اس میں دخل نہیں۔ اس سے ناز کرنے والوں کو تنبیہہ مقصود ہے کہ اپنے

عمل پر نازاں نہ ہونا چاہیے۔ جو کچھ وہاں ملے گا محض انعام ہو گا' ورنہ تم عمل سے اس کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

وجہ یہ کہ طاعت' ادائے حق خداوندی ہے' اور اس کے حقوق غیر متناہی ہیں' اور حقوق غیر متناہی کا ادا کرنا موقوف ہے عمل غیر متناہی پر' اور ہم بوجہ حدوث و متناہی ہونے کے عمل غیر متناہی سے عاجز ہیں۔ تو عقلاً انسان ادائے حق خداوندی سے عاجز ہے۔ تو اب جو کچھ بھی اسے ملے وہ محض قدردانی نہیں تو اور کیا ہے ؟

یہاں سے یہ شبہ بھی دور ہو گیا ہو گا جو بعض رحم دل لوگوں کے دلوں میں آیا کرتا ہے کہ کافروں کے لیے ہمیشہ کے لیے خلود فی النار کیوں مقرر ہوا۔ کفر تو اس نے کیا تھوڑی مدت تک' یعنی دنیا کی زندگی میں' اور سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم۔ یہ تو بظاہر عدل کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ تو بات یہ ہے کہ کافر نے حق تعالیٰ کے ساتھ جب شرک و کفر کیا تو اس نے حق تعالیٰ شانہ کے حقوق غیر متناہیہ کو ضائع کیا' اور حقوق غیر متناہیہ پر غیر متناہی سزا عقل کے موافق ہے۔ غرض عمل صالح سے تو حقوق غیر متناہیہ ادا نہیں ہوتے اور کفر سے حقوق غیر متناہیہ ضائع ہو جاتے ہیں۔ پس عمل متناہی کے بدلے غیر متناہی جزا جو مومنین کو عطا ہو گی' یہ البتہ عقل سے آگے ہے۔

پس مَشْکُوْرًا سے بتلا دیا کہ عقل تو چاہتی ہے کہ تمہارا اجر کم ہوتا' مگر یہ ہماری قدردانی ہے۔ ایک حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں اپنے عمل سے کوئی نہ جائے گا۔ ہاں' رحمت الٰہی ہو جائے تو اور بات ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا' اور اس سوال کی ہمت بھی انھی کو تھی' ما رسول اللہ' ولا انت' کیا آپ بھی اپنے عمل سے جنت میں تشریف نہ لے جائیں گے ؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے اس سوال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خوف غالب ہو گیا' اور آپؐ نے سر مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا' **ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ**' یعنی میں بھی عمل سے جنت میں نہ جاؤں گا' مگر یہ کہ خدا کی رحمت میری دست گیری کرے۔ صاحبو' اب کس کی ہمت ہے جو اپنے عمل کو کچھ سمجھے۔

قیامت میں جب ہم اپنے اعمال کی جزا دیکھیں گے کہ اس قدر بے شمار نعمت ہے تو معلوم ہو گا کہ یہ سب محض قدردانی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز حق تعالے شانہ' اپنے مومن بندے کا حساب چھپا کر لیں گے' اور فرمائیں گے کہ ہم نے تم پر یہ یہ انعام فرمائے تھے' تم نے پھر بھی نافرمانی کی۔ فلاں گناہ کو یاد کرو' تم نے فلاں دن یہ کام کیا تھا' اس دن یہ کیا تھا' غرض گناہوں کی فہرست شمار فرمائیں گے' یہاں تک کہ مومن یہ سمجھے گا کہ بس میں ہلاک ہوا اور

ہر طرف سے اپنے کو جہنم کو قریب دیکھے گا۔ اس وقت حق تعالےٰ شانہ' فرمائیں گے کہ جاؤ' ہم نے دنیا میں بھی پردہ پوشی کی تھی' یہاں بھی ہم پردہ پوشی کرتے ہیں۔ پھر اس کے نامۂ اعمال میں سے گناہوں کو محو فرمادیں گے اور ان کی جگہ اعمال حسنہ درج فرمادیں گے۔ یہ ہے اُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ کا مضمون۔ کچھ ٹھکانا ہے اس رحمت کا کہ مسلمانوں کو اپنی رحمت سے دوسروں کے سامنے ذلیل نہ فرمائیں گے' بلکہ دوسروں کے سامنے اس کی عزت بڑھائی جائے گی اور یوں ظاہر کیا جائے گا کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

صاحبو' ایسے خدا کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔ کیا اس کا حق تمہارے اوپر کچھ بھی نہیں' جو یوں نافرمانی پر کمربستہ ہوئے ہو۔ ایسے رحیم و کریم خدا کے ساتھ تعلق اور لگاؤ پیدا کرو اور اس کی محبت میں کوشش کرو۔ (تلخیص و تدوین: خ-م)

---


رمضان المبارک کے موقع

پر خصوصی رعایتی اسکیم

| | | قیمت | رعایتی قیمت |
|---|---|---|---|
| ۱ | کتاب الصوم | ۴۵/- | ۲۳.۰۰ |
| ۲ | فضائل قرآن | ۲۴/- | ۱۲.۰۰ |
| ۳ | شعور حیات | ۲۴/- | ۱۴.۰۰ |
| ۴ | گلدستہ حدیث | ۱۲/- | ۶.۰۰ |
| ۵ | خاصانِ خدا کی نماز | ۱۸/- | ۱۰.۰۰ |
| ۶ | خاصانِ خدا کا خوفِ آخرت (اول) | ۱۸/- | ۱۰.۰۰ |
| ۷ | خاصانِ خدا کا خوفِ آخرت (دوم) | ۱۸/- | ۱۰.۰۰ |
| ۸ | روشنی کے مینار | ۳۶/- | ۲۰.۰۰ |

الندوہ پبلی کیشنز 23 راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور

فقہ و اجتہاد

# عصرِ حاضر کے تقاضے اور اجتہاد کی ضرورت

مولانا محمد رفیع عثمانی

اس اجتماع کا جو سب سے بڑا فائدہ ہے وہ یہ ہے کہ یہاں قدیم اور جدید علوم کے ماہرین کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس زمانہ میں سیاسی' تمدنی' اقتصادی' طبی وغیرہ مسائل اتنے پھیل گئے ہیں' اتنے گوناگوں ہو گئے ہیں کہ قرآن و سنت کی روشنی میں احکامِ شرعیہ کو مرتب اور مستنبط کرنا صرف اسی شخص کے بس کا کام ہو سکتا تھا جو مجتہدِ مطلق کہلانے کا اہل ہوتا۔ لیکن مجتہدِ مطلق کا جو مقام ہے' جو شرائط ہیں' ان کے پیشِ نظر آج دور دور تک کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی ہے جو اجتہادِ مطلق کا دعویٰ کر سکے' یا اس سلسلہ میں کوئی کام کر سکے۔ لیکن واقعہ یہی ہے کہ حالات ـــــ سیاسی میدان میں' اقتصادی میدان میں' معاشرتی میدان میں اور مختلف شعبہ ہائے حیات میں ـــــ اتنی تیزی سے بدل رہے ہیں' اور اتنے بڑے پیمانہ پر ان میں تبدیلی ہو رہی ہے' کہ مجھے یہ کہنے میں باک نہیں ہے کہ اس وقت اجتہاد مطلق کی ضرورت ہے۔

صورتِ حال یہ ہے کہ قرآن کو جو کچھ بیان کرنا تھا وہ بیان کر چکا' سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تیئس سالہ زندگی میں قرآن کریم کی جو تشریح فرمانی تھی وہ فرما دی۔ اسلافِ امت نے ان دونوں چیزوں کی حفاظت کی۔ ہمارا عقیدہ ہے اب کوئی نئی شریعت آنے والی نہیں ہے' کسی اور نبی کے آنے کا امکان نہیں ہے' اللہ نے اپنے دین کی تکمیل کر دی' اور اللہ نے اسی امت ہمیں بتایا جو آخری امت ہے اور قیامت تک تمام مسائل کا سامنا اسی امت کو کرنا ہے۔ ان حالات میں جب کہ تبدیلیاں تو معاشرہ میں اتنی تیزی سے آ رہی ہیں' اتنے بڑے پیمانے پر آ رہی ہیں کہ ہمارا فقہی ذخیرہ ـــــ اس میں شک نہیں ہے کہ ان تمام چیزوں کا حل اصولی طور پر اس میں ضرور موجود ہے ـــــ جزوی طور پر اور جزئیات کی صورت میں کفایت نہیں کر رہا ہے۔

عادۃ اللہ یہ ہے کہ جب کوئی ضرورت پیدا ہوتی ہے تو اللہ رب العالمین اس کا سامان بھی پیدا فرما دیتے ہیں۔ ایک طلب جب پیدا ہوتی ہے تو اللہ رب العالمین کی طرف سے اس کی رسد بھی آتی ہے۔ اللہ سے ہمیں قوی امید ہے کہ عنقریب نہ سہی لیکن کوئی مجتہدِ مطلق بھی رونما ہونے والا ہے' کیونکہ اس کی ضرورت شدید ہے' پوری دنیا اس کی طالب ہے۔ لیکن مجتہدِ مطلق کا جو مقام ہے وہ اتنا اونچا مقام ہے کہ آج کوئی اس کا دعویٰ بھی کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ شاید بظاہر حالات ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ اب امام مہدی علیہ السلام ہی مجتہدِ مطلق ہو کر آئیں گے' لیکن کچھ نہیں معلوم ان کا ظہور کب ہونے والا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ زندگی رواں دواں ہے' زندگی کا یہ قافلہ انتظار نہیں کرتا۔ ہمارے یہ مسائل جو روز بروز پیدا ہو رہے ہیں' ان کے بارہ میں امتِ مسلمہ کی نظریں علماءِ امت کی طرف اٹھ رہی ہیں۔ اقتصادی میدان میں آپ کیا کہتے ہیں' طبی مسائل جو پیدا ہو رہے ہیں ان میں آپ کی رہنمائی کیا ہے۔ معاشرہ میں اور سیاست کے میدان میں جو نت نئے نظریات' مسائل اور رسوم جڑیں پکڑ رہی ہیں ان میں اسلام کی ہدایت کیا ہے؟ اس کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی اسی مسئولیت کو پورا کرنے کے لیے وہ جدوجہد اختیار کریں جو ہمارے اسلاف کا وطیرہ رہی ہے۔

اب وقت نہیں رہا کہ صدیوں پہلے ہمارے اسلاف نے بہت عرق ریزی کے ساتھ جو کتابیں اور فقہ و فتاویٰ مرتب کیے' ان کو دیکھ کر اور آنکھ بند کر کے فتویٰ دیتے چلے جائیں۔ والد صاحب (مفتی محمد شفیعؒ) بکثرت فرمایا کرتے تھے کہ فقہاءِ کرام کا مشہور قاعدہ ہے "من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل" حالات زمانہ پر جب تک نظر نہ ہو امت کی رہنمائی نہیں کی جا سکتی' فتویٰ اور فقہ کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ان حالات میں ہماری ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ فتویٰ میں انحطاط ہے' حالات میں ناسازگاری ہے' ہر شخص اپنے اپنے حالات میں گرفتار ہے' علمی صلاحیتیں بھی دن بدن کم ہوتی جا رہی ہیں' ان حالات میں مسائل بڑھتے جا رہے ہیں' نئے نئے علوم سامنے آ رہے ہیں۔ ان حالات ... اس کے بغیر چارہ کار نہیں ہے کہ جزوی مسائل میں جزوی اجتہاد کے راستے کو رواں دواں رکھا جائے۔ جزوی مسائل میں اور اجتہاد کے مسائل میں ہمارے تمام فقہا اور اکابر الحمد للہ بڑے بڑے کارنامے چھوڑ گئے ہیں۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی امداد الفتاویٰ ایک ایسی چیز ہے جو ان ... اجتہادی کارناموں کا واضح ثبوت ہے اور ساتھ ہی حسین یادگار بھی ہے۔

یہ تصور ہمارے بہت سے حلقوں میں اب بھی موجود ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ آج بھی بند نہیں ہے' اور آئندہ بھی بند نہیں ہوگا۔ ہاں اس میں جو دروازے ہیں اس میں داخل ہونے کے لیے کچھ شرائط ہیں۔ اس زمانہ میں وہ شرائط افراد میں موجود نہیں رہے۔ اسی واسطے سمجھا جا رہا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا۔ بھلا قرآن و سنت کا کبھی دروازہ بند ہو گا؟ ہمارے یہ اکابر نے مسائل میں مسلسل اجتہاد کرتے رہے ہیں۔ امداد الفتاویٰ کو اٹھا کر آپ دیکھیں' خاص طور سے کتاب البیوع اور معاملات کے جو مسائل ہیں' ان کے اندر اجتہاد فی المسائل آپ کو جگہ جگہ ملیں گے۔ انھوں نے صرف یہی کام نہیں کیا کہ یہ بتا دیا جائے کہ یہ جائز ہے یا ناجائز ہے۔ میں نے اپنے والد ماجد سے بار بار سنا' وہ ہمیں تلقین فرمایا کرتے تھے' کہ معاملات بیوع و شراء سے متعلق' لین دین سے متعلق' جب مسائل آئیں تو مفتی کے لیے یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے' بلکہ وہ یہ بھی بتائے کہ یہ صورت تو ناجائز ہے لیکن اس صورت میں یہ تبدیلی کر دی جائے تو جائز ہو جائے گی۔ جائز راستہ بتانا بھی مفتی کی ذمہ داری ہے' ورنہ خطرہ ہے کہ بہت سے لوگ اس طرح مرتد ہو جائیں گے کہ ان کو بھی خبر نہیں ہوگی کہ ہم مرتد ہو گئے ہیں۔

ان حالات میں کسی ایک فرد کے بس کا کام یہ نہیں رہا کہ وہ اجتہاد فی المسائل کسی خاص میدان میں تنہا کر سکے۔ مثلاً معاملات ہی کے باب میں اجتہاد فی المسائل تنہا کوئی شخص کر سکے' اور سارے مسائل کو حل کر دے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حالت زمانہ نے' اور پچھلے دو سو سال کے سیاسی حالات نے جدید و قدیم علوم کے درمیان ایسی خلیج حائل کر دی کہ جن مسائل کا ہمیں حکم معلوم کرنا ہے ان مسائل کی صحیح صورت حال ہمیں نہیں معلوم۔ اور جن حضرات کے سامنے صورت مسئلہ ہے' انھیں جواب معلوم کرنے کا راستہ نہیں معلوم۔

میں مبارک باد پیش کرتا ہوں اسلامک فقہ اکیڈمی کو' انھوں نے قدیم و جدید دونوں کو ملا دیا' اور اس خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی ہے جو دو سو سال سے ہمارے درمیان حائل رہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان مسائل میں جتنی احتیاج علما اور فقہا اور مفتی صاحبان کی ہے' کم و بیش اس کے قریب قریب ہی احتیاج ہمیں ان علوم کے ماہرین کی ہے جن علوم کے بارہ میں ہم مسائل کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جدید علم کے ماہرین سے صورت حال ہمیں معلوم ہو گی' یعنی صورت مسئلہ یہ بتائیں گے' اور جواب آپ دیں گے۔ صورت مسئلہ متعین کرنا بھی آسان کام نہیں ہوتا اور "السوال نصف العلم"۔ تو نصف العلم دانشور حضرات سے حاصل ہو گا اور باقی نصف العلم فقہاءِ کرام سے۔ مجھے امید ہے کہ یہ اکیڈمی اس سلسلہ میں موثر کردار ادا کرے گی۔

یہ اجتماعی اجتہاد و قیاس اس امت میں نئی چیز نہیں ہے۔ غور کیا جائے تو پورے تسلسل کے ساتھ اس کی نظیریں ہمیں پچھلے چودہ سو سال کے اندر ملتی ہیں' اور خود عہد رسالت کے اندر ملتی ہیں۔ اساریٰ بدر (بدر کے قیدیوں) کے واقعہ میں سرورِ کائنات ؐ نے صحابہؓ کرام سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ فیصلہ مشورہ کے بعد ہوا' اس میں خطا ہوئی' اس پر عتاب بھی ہوا۔ یہ اجتماعی اجتہاد تھا۔ جو بھی مسائل امت کو پیش آئے ہیں خلفائے راشدین نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے ان سے پوچھا' امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اپنے شاگردوں کے ساتھ بحث و مذاکرہ کا سلسلہ جاری رکھا' اور تقریباً چالیس عظیم المرتبت تلامذہ کے ساتھ اجتماعی اجتہاد اور قیاس کا سلسلہ جاری رہنا مشہور و معلوم ہے۔ اورنگ زیب عالم گیر نے اپنے فتاویٰ عالم گیریہ مرتب کرنے کے لیے علما کو جمع کیا۔ اس زمانہ میں حالات بدلے ہوئے تھے' نئے مسائل پیدا ہوئے تھے' انھیں حل کرنے کی ضرورت تھی۔ "مجلتہ الاحکام العدلیتہ" خلافت عثمانیہ ترکی میں مرتب ہوا۔ یہ بھی علماء کرام ہی کی ایک عظیم جماعت نے مرتب کیا۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ستم رسیدہ عورتوں کی مشکلات کا فقہی حل معلوم کرنے اور نکالنے کے لیے متعدد حضرات کو "الحیلتہ الناجزہ" کی ترتیب کا حکم فرمایا' جس میں میرے والد ماجد اور مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی شامل تھے۔ لیکن اس فتویٰ کو شائع نہیں کیا جب تک کہ ہندوستان کے تمام ارباب افتا سے مراجعت نہیں ہو گئی۔

میرے والد محترم فرماتے تھے' ایسے اجتماعی مسائل جو پوری امت کو درپیش ہیں یا ملک کے تمام مسلمانوں کو درپیش ہیں' ان میں انفرادی فتاویٰ نہیں دیے جائیں۔ ان میں باہمی مشورہ نہایت ضروری ہے اور تمام بزرگوں کا یہی طریقہ رہا ہے۔ چنانچہ پاکستان میں بھی حضرت والد ماجد اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے ایک مجلس قائم کر رکھی تھی جو آج بھی موجود ہے۔

اپنے بزرگوں نے ہمیں یہ طریقہ بھی بتایا کہ ان مسائل کی تحقیق اور اپنے خیالات پر تنقید سننے کے معاملہ میں کتنا وسیع الظرف ہونا چاہیے۔ میں اور میرے بھائی مولانا تقی عثمانی اس زمانہ میں ---- جب یہ مجلس اعضاء انسانی کی پیوند کاری کے مسئلہ پر' اور پراویڈنٹ فنڈ اور دوسرے مسائل پر' تحقیق کر رہی تھی ---- درجہ تخصص فی الافتا میں تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ آدمی' جو ابھی درس نظامی سے فارغ ہوا ہو' اور درجہ تخصص فی الافتا میں پڑھ رہا ہو' ایک آدھ نحو کی کتاب بھی پڑھا رہا ہو' اس جیسی مجلس میں کیا مشورہ دے سکتا ہے۔ لیکن ہم دونوں بھائیوں کو' اور تخصص فی الافتا کے طلبہ کو' اس مجلس میں والد صاحب علما کے ساتھ حکماً" بٹھاتے' اور ہم سب کو بحث و

تحقیق میں شریک کرتے۔ اس میں انھوں نے ہمیں اتنا جری بنا دیا تھا کہ جہاں مفتی اعظم پاکستان اور مولانا یوسف بنوریؒ جیسے جلیل القدر علما مسائل پر بحث کر رہے ہوں' وہاں ہم لوگ صبح سے شام تک کتنی ہی بار ان کی بات پر اعتراض کرتے' ان سے سوالات کرتے۔

ان دونوں حضرات کو میں نے دیکھا کہ ہماری باتیں ایسے سنتے تھے' ہمہ تن گوش ہو کر' جیسے کسی پیاسے کے سامنے پانی آگیا ہو۔ یہ وجہ نہیں کہ ہمارے پاس دلائل زیادہ تھے یا تھوڑے تھے' بلکہ وہ ہماری تربیت کر رہے تھے' کہ فقہی مسائل میں جہاں یہ ضروری ہے کہ ہم پورا پورا وقت دیں اور صلاحیتیں خرچ کریں' یہ بھی اتنا ہی ضروری ہے کہ دوسرے کے غوروفکر کو پوری توجہ اور حق پسندی کے ساتھ سنیں۔ اس کے بغیر کسی صحیح نتیجہ تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔

اس لیے مجھے یہ امید ہے کہ ہم انشاء اللہ اسی جذبہ کے ساتھ اس سیمینار کے تمام مباحث میں حصہ لیں گے۔ ہم ہر ایک کی بات اسی توجہ کے ساتھ سنیں گے جیسے کوئی طالب علم اپنے استاد کی بات سنتا ہے۔ اس طرح ہم لوگ بہت سارے نتائج تک پہنچ سکیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انشاء اللہ مدد ہو گی۔

ہمارے بزرگوں کا ایک خاص طرہ امتیاز ہے' بلکہ پوری امت کے علماء اہل سنت والجماعت کے تمام فقہا کا ایک خاص طرہ امتیاز رہا ہے' کہ انھوں نے اپنی بات کی پچ نہیں کی۔ وہ علمی غرور' انانیت' اور بات کی پچ سے بہت دور تھے۔ ہمارے فقہاء کرام اور اپنے تمام بزرگ اور جن لوگوں کو ہم نے دیکھا' جن کی جوتیاں سیدھی کیں' ان کو بھی ہم نے یہی پایا کہ ایک ادنیٰ طالب علم ان کی کسی بات پر کوئی اعتراض کر دے تو نہ صرف یہ کہ ان کو توجہ کے ساتھ سنتے تھے بلکہ اگر سمجھ میں آجائے تو فوراً قبول فرما لیتے تھے' اور اپنی بات سے رجوع بھی کر لیتے تھے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ نے امداد الفتاویٰ میں حوادث الفتاویٰ کے ساتھ ساتھ ترجیح الراجح کا بھی ایک سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ اور اگر کسی عالم نے کسی مسئلہ میں ان کی کسی خطا کی طرف توجہ دلائی' اور حضرت کی رائے تبدیل ہو گئی' تو صرف یہی نہیں کہ ان کو خط لکھ دیا کہ میں نے رجوع کر لیا ہے' بلکہ اس کو شائع کیا جاتا کہ میں نے پہلے اس مسئلہ کا جواب یہ لکھ دیا تھا' فلاں صاحب کے توجہ دلانے یا بعض حضرات کے توجہ دلانے سے' اب میری رائے یوں ہو گئی ہے' اور میں پچھلے قول سے رجوع کرتا ہوں' اور اب میرا فتویٰ یہ ہے۔ اس میں کبھی ان حضرات نے نہ کوئی شرم محسوس کی ہے اور نہ ہی اپنے درجہ میں کمی محسوس کی ہے۔ ان کے اس اعتراف نے ان کی عظمت میں اضافہ کیا ہے۔ ہمارے والد ماجد کے فتاویٰ کا مجموعہ

امداد المفتین کے نام سے شائع ہوا' اس میں بھی حضرت نے ایک مستقل باب قائم کیا تھا "اختیار الصواب لمختلف الابواب"۔ اگر کسی مسئلہ میں ان کی رائے تبدیل ہو جاتی تو رجوع فرما لیتے تھے۔

اس کو میں اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ اس زمانہ میں ہمارے بزرگوں کی یہ سنت مردہ ہوتی جا رہی ہے۔ کسی ایک مفتی کے قلم سے اگر ایک فتویٰ نکل گیا' اب یہ بہت کم رہ گیا ہے کہ توجہ دلانے اور خطا ظاہر ہونے پر رجوع کر لیں۔ اب بھی الحمد للہ ایسے حضرات علماء حق ہیں کہ اگر ان کے سامنے دلائل آ جائیں تو رجوع کرنے میں ان کو تامل نہ ہو گا' لیکن بہت شاذ و نادر۔ ورنہ ہر ایک اس کوشش میں رہتا ہے کہ میرے قلم سے جو بات نکلی ہے' اس کو منوایا جائے۔

ہم نے اپنے بزرگوں کو الحمد للہ دیکھا ہے اور ان سے سیکھا ہے۔ پیوند کاری کے مسئلہ میں مجلس تحقیق مسائل حاضرہ میں تقریباً دو سال تک بحث ہوتی رہی ہے۔ بے شمار مسائل آئے ہوئے تھے۔ ان سب کو روکا گیا تھا' اور سائلوں کو لکھ دیا گیا تھا کہ اس پر تحقیق ہو رہی ہے' وقت لگے گا۔ جب تحقیق ہو جائے گی تو آپ کو جواب دیا جائے گا۔ والد صاحب نے لکھ دیا تھا کہ انسان کا خون دوسرے انسان کے بدن میں داخل کرنا حالت ضرورت میں جائز ہے' فروخت کرنا جائز نہیں۔ کوئی شخص اگر پیسوں کے بغیر نہیں دیتا' تو پیسے دینے والا اگر مجبور ہے تو گنہگار نہیں ہو گا' لینے والا گنہگار ہو گا۔ حضرت والد صاحب کی وفات کے بعد اعضاء انسانی کے متعلق عالم اسلام کے اور بھی دارالافتاؤں سے کچھ فتاویٰ جاری ہوئے ہیں جو ہماری نظروں سے گزرے۔ کچھ حضرات علما نے اس میں جو کام کیا تھا اس میں کچھ نئے دلائل بھی سامنے آئے۔ ان سے ہمیں اس بات کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس ہو رہی ہے کہ اس مسئلہ پر نظر ثانی کی جائے۔ بہت ممکن ہے کہ جو فتویٰ عدم جواز کا دیا گیا تھا' ان دلائل کے آ جانے کے بعد اس فتویٰ سے رجوع کیا جائے۔ اس فتویٰ پر دستخط کرنے والے جو حضرات موجود ہیں وہ رجوع کر لیں گے' اور جو حضرات اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں ہمیں امید ہے کہ ان کی روحوں کو اس سے تسکین ہو گی۔

میری ان دونوں معروضات کے خلاصہ کے طور دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اپنی بات کی پچ' اور بات کو ہر قیمت پر منوانے کی کوشش' یہ ہر تحقیق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ہمیں اس سے بچنا چاہیے۔ اور دوسرے یہ کہ اجتماعی مسائل میں باہمی مشورہ کے بغیر انفرادی فتاویٰ جاری کرنے سے حتی الامکان گریز کرنا چاہیے۔ اجتماعی اجتہاد و قیاس کا جو کام اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے سر لیا ہے وہ عظیم کام ہے' مشکل ہے' کٹھن ہے' لیکن وقت کی سب سے بڑی پکار ہے۔ (اسلامک فقہ اکیڈمی' ہند' کے دوسرے سیمینار میں خطبہ صدارت)

---

تحریکِ اسلامی

# اسلامی تحریکیں، ماضی اور حال

## عقیدہ و فکر کے محاذ پر

خلیل احمد حامدی

اسلامی تحریکیں تقریباً پون صدی کا عرصہ کشمکش گزارنے کے باوجود تازہ دم اور جوان ہمت ہیں۔ اس تازگی اور روانی کی وجہ وہ نصب العین ہے جس کے لیے وہ برپا ہوئی ہیں۔ وہ نصب العین چونکہ کہنگی سے مبرا اور دائمی و ابدی ہے اس لیے اس کی علم بردار تحریکیں بھی ہر قدم پر مزید پرجوش اور ہر دم مزید پر عزم رہتی ہیں۔ اس نصب العین کا ماخذ اللہ کی کتاب ہے جسے قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ جب تک یہ کتاب دنیا میں موجود ہے اس کا نصب العین بھی موجود ہے، اور اس کے لیے زندگیوں کو وقف کرنے والے بھی اٹھتے رہیں گے۔

اگر ہم اس نصب العین کا خلاصہ بیان کریں تو وہ دو لفظوں پر مشتمل ہے: اقامت دین۔ اور اس نصب العین کی خاطر جو جذبہ انسانوں کو تازہ دم اور ولولہ انگیز رکھتا ہے وہ بھی دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے: رضائے الٰہی۔ کیا جو انسان اپنے شعور کی گہرائیوں اور دل کی پہنائیوں سے اقامتِ دین کو مقصدِ زندگی اور رضائے الٰہی کو توشۂ آخرت قرار دے دے، وہ کہنگی کا شکار یا درماندگی کا نوالہ بن سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جوں جوں وہ جدوجہد میں کھپتا جائے گا، اور امتحان و آزمائش کی بھٹیوں سے گزرتا جائے گا اس کے ولولوں میں چمک، اس کے تشخص میں نفاست اور اس کے کردار میں استقامت ابھرتی جائے گی۔

دورِ حاضر کی تحریکوں کو مٹانے یا محدود رکھنے کے تمام منصوبے ناکام ہوتے رہے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال مصر و شام میں اخوان المسلمون اور ترکی میں تحریکِ اسلامی ہے۔ ساٹھ اور ستر کا عشرہ ایسا تھا کہ امریکہ اور روس کے مابین سرد جنگ عروج پر تھی۔ ایک طرف امریکہ عالمِ

اسلام میں اپنے پٹھو حکمرانوں کو' روس کے خلاف اپنی سرد جنگ کا ایندھن بناتا رہا۔ دوسری طرف روس اپنے کارندوں کے ذریعے عوام میں "روسی جنت" کا ڈھنڈورا پیٹتا رہا۔ اس دو طاقتی معرکہ آرائی میں اسلامی تحریک اپنے راستے پر پوری ہمت و قوت کے ساتھ گامزن رہی۔ روسی ایجنٹ اسے امریکہ نواز کہتے' اور امریکی لابی اسے تہذیب و تمدن کی دشمن کہتی۔ درحقیقت دونوں کیمپ اس کی بیخ کنی پر متفق تھے۔ ۱۹۶۵ میں جب جمال عبدالناصر ماسکو گیا تو اس نے اپنے روسی آقاؤں کے مطالبے کے تحت ماسکو ہی سے یہ اعلان جاری کیا تھا کہ "میں اخوان المسلمون کو اب مصر میں برداشت نہیں کروں گا"۔ چنانچہ وہ واپس آیا اور سید قطب اور ان کے ہزاروں ساتھیوں کو گرفتار کر لیا' پھر ۱۹۶۶ میں سید قطب اور ان کے دو ساتھیوں' اسماعیل اور یوسف ہواش کو بڑی بے شرمی کے ساتھ تختہ دار پر لٹکا دیا۔ ۱۹۷۳ میں ترکی میں اسلامی تحریک کے افراد نے ملی نظام پارٹی کے نام سے جماعت تشکیل دی' جسے امریکہ کے حکم سے چند روز کے اندر خلافِ قانون قرار دے دیا گیا۔

یک محوری نظام کے کسنوڈین امریکہ کو یہ خدشہ ہے کہ مغربی تہذیب کی جگہ اگر کوئی لے سکتا ہے تو وہ اسلامی تہذیب ہے۔ اس لیے اس نے اسلامی تہذیب کو اپنا حریفِ اوّل بنا لیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ عالمِ اسلام کو اس وقت تک یک محوری نظام کے فریم میں فٹ نہیں کیا جا سکتا جب تک اسلامی تہذیب کے احیا کی آواز کو پوری شدت کے ساتھ وہ دبا نہیں لیتا۔ روس بھی اسلام کو نظریاتی مدِمقابل سمجھ کر اپنے دورِ عروج میں پوری طرح کچلنے کی کوشش کرتا رہا' اور مغربی جمہوریت کے علمبرداروں نے اس پر کبھی کسی کبیدگی کا اظہار نہیں کیا۔

جب ۱۹۵۴ میں اخوانی قائدین عبدالقادر عودہ اور یوسف طلعت وغیرہ کو قاہرہ میں سزائے موت دی گئی تو اسرائیل اور برطانیہ میں بڑی خوشی کا اظہار کیا گیا۔ اسی طرح ۱۹۶۲ میں جب ترکی میں عدنان مندریس کو فوجی ڈکٹیٹر جمال گورسل نے پھانسی دے دی تو پورے یورپ اور امریکہ کے دلوں میں ٹھنڈک محسوس کی گئی۔ عدنان مندریس کا جرم صرف یہ تھا کہ اس نے ۱۹۵۶ میں انتخابات میں کامیابی کے بعد ترکی میں عربی میں اذان کی اجازت دے دی تھی اور اماموں اور خطیبوں کی تربیت کے لیے چند مدرسے قائم کر دیے تھے۔ ۱۹۵۵ میں ساترا میں "دارالاسلام" تحریک کو سکارنو نے فوج کے ذریعے بری طرح کچل دیا' تو اس پر بھی روس' چین اور امریکہ سب نے گھی کے چراغ جلائے۔

اسلامی تحریکوں کا آغاز بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی سے ہوا ہے۔ اخوان المسلمون مصر کی تاسیس ۱۹۲۸ میں ہوئی۔ پانچ سال کے اندر اندر اس کی شاخیں سوڈان' فلسطین' شام اور عراق میں

پھیل گئیں۔ بدیع الزماں نورسیؒ نے "طلبائے نور" کے نام سے ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا کے الحاد کے خلاف، جس کی پشت پر انگریز اور یہودی تھے حقائقِ قرآنی اور تصنیفاتِ ایمانی کی تحریک برپا کی۔ آزادیِ وطن کی تحریکوں میں بھی علمائے اسلام ہی نے روح جہاد اور جذبہ شہادت پھونکا تھا۔ اس کی نمایاں مثالیں شیخ بدرالدین حسینی (شام)، شیخ عبدالحمید بن بادیس (الجزائر) اور عبدالکریم ریفی اور علال الفاسی (مراکش) وغیرہ کے جہادی کارناموں میں ملتی ہیں۔

سامراجی طاقتیں اسلامی تحریکوں کو سر اٹھانے کا موقع نہیں دے سکتی تھیں۔ جونہی احیائے اسلام کی آواز اٹھتی ہے اور جہاد کا نام زبانوں پر آتا ہے، سامراجی طاقتوں کو صلیبی جنگیں یاد آ جاتی ہیں۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد ایک جنرل جب فاتحانہ دمشق میں داخل ہوا تو سیدھا صلاح الدین ایوبیؒ کی قبر پر گیا اور کہا "اے صلاح الدین ہم واپس آ گئے ہیں"۔ پھر جب یہ سامراجی طاقتیں آزادی کی جنگوں کے بعد مسلمان ممالک سے رخصت ہوئیں تو اسلام دشمنی کا مشن اپنے "وفا شعار خلفا" کے حوالے کر گئیں، اور انہوں نے اسلامی تحریکوں کو کچلنے کے لیے وہ "کارنامے" سر انجام دیے جو ان کے پیشوا بھی کرنے سے ہچکچاتے رہے۔

اسلامی تحریکوں کے پیشِ نظر محض افراد کی تبدیلی نہیں ہے۔ اگر تبدیلیِ افراد پیشِ نظر ہوتی تو سید قطب شہید، جمال عبدالناصر کی یہ پیشکش قبول کر لیتے کہ وہ حکومت کی مخالفت چھوڑ دیں اور مصر کی وزارتِ تعلیم لے لیں۔ سید قطب نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور تختۂ دار پر لٹکنا قبول کر لیا۔ اسلامی تحریکوں کے سامنے محض دعوت و تبلیغ اور فکرِ اسلامی کی اشاعت ہی نہیں ہے۔ اگر دعوت و تبلیغ پر اکتفا مقصود ہوتا تو مولانا مودودیؒ جنرل ایوب خاں کا ۱۹۶۱ میں یہ مشورہ قبول کر لیتے کہ "آپ سیاست میں حصہ لینا چھوڑ دیں اور اپنے زورِ قلم اور قوتِ علم سے پاکستان اور بیرون پاکستان مسلمانوں کی خدمت کریں۔ آپ سے کوئی تعرض نہیں کرے گا، بلکہ پوری پوری حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ کیونکہ سیاست گندا کھیل ہے اور عالمِ دین کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اس گندگی میں ملوث ہو"۔ مگر مولانا مودودیؒ نے یہ کہہ کر ایوب خان کا مشورہ قبول کرنے سے معذرت کر دی کہ "میں سیاست میں اس لیے حصہ لیتا ہوں کہ اسے گندگی سے پاک کر دیا جائے اور صالح سیاست کی طرح ڈالی جائے"۔ اسلامی تحریکوں کے پیشِ نظر ایک مکمل فکری اور تہذیبی انقلاب ہے۔

دورِ استعمار سے پہلے ہی مسلمان معاشروں میں دینی، اخلاقی اور علمی کمزوری در آئی تھی۔ ان کا مذہب چند ظاہری رسوم کا نام رہ گیا تھا۔ علم و فن میں یکسر جمود تھا۔ اجتہاد و اکتشاف تو کجا تقلید

کی بھی پوری صلاحیت باقی نہ رہی تھی۔ اس راکھ کے ڈھیر میں تھوڑی بہت جو چنگاریاں باقی رہ گئی تھیں ان کو پھونک دے کر اسلامی تحریکوں نے اپنے مشن کا آغاز کیا۔ اور وسائل کی قلت اور عددی کمی کے باوجود اپنا سفر جاری رکھا ہے۔ گویا چیونٹی پہاڑ سر کر رہی ہے اور ممولہ شہباز سے لڑ رہا ہے۔

کامیابیوں کا گراف

اسلامی تحریکوں نے ماضی میں کیا کامیابیاں حاصل کی ہیں؟

ظاہر بین لوگ یا عجلت پسند طبیعتیں کامیابی کا صرف ایک پیمانہ سامنے رکھتی ہیں۔ اور وہ ہے حصولِ اقتدار۔ اس پیمانے کے ذریعے وہ تحریکوں کے قدو قامت اور طول و عرض کو ناپتی ہیں۔ ہم ظاہر بینی اور عجلت پسندی کی مذمت نہیں کرتے۔ یہ بھی انسانی فطرت کا ایک خاصہ ہے۔ ہمارے سامنے صبرِ نوحؑ بھی ہے اور واقعۂ یونسؑ بھی۔ تاہم نظریاتی تحریکوں کے بارے میں نتائج و ثمرات کے لیے بے تابی دکھانا' یا سال گن گن کر کامیابی اور ناکامی کا حساب لگانا' کسی ہلکے پھلکے کارکن کا شیوہ تو ہو سکتا ہے' صاحبِ فہم و شعور اور میدانِ عمل میں غرق رہنے والے کو یہ بات زیب نہیں دیتی۔ وہ تو "بغیر حساب" کام کیے جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے "بغیر حساب" اجر طلب کرتا ہے۔

مولانا مودودیؒ نے تحریک کے کارکن کی مثال کسان سے دی ہے۔ وہ زمین کی کاشت میں اپنی ہر محنت و قابلیت کھپاتا ہے' اور پھر اگر اس کی قسمت میں فصل کاشت کرنا لکھا ہوتا ہے تو کاشت کر لیتا ہے' اور اگر قدرتی و سماوی آفات عین کاشت کے وقت اس کی فصل کو تباہ کر دیتی ہیں تو وہ نئے سرے سے کمر ہمت باندھ لیتا ہے۔ اپنے تئیں وہ ہل چلانے سے لے کر تخم ریزی اور آبیاری اور پاسبانی تک پورے جتن کیے جاتا ہے اور پھر نتائج اللہ پر چھوڑتا ہے۔ لیکن' حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تحریکوں نے گذشتہ نصف صدی میں کئی نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں۔

اسلامی تہذیب کا احیا

تہذیبی جنگ میں اسلامی تحریکوں نے اسلامی تہذیب کے صحیح تصور کا احیا کیا ہے۔ سینکڑوں برس سے مسلمان اسلامی تہذیب کے اصل اور کامل تصور سے بے بہرہ ہو چکے تھے۔ سامراجی طاقتوں نے اپنے سائنسی انکشافات اور علمی تحقیقات کے حوالے سے مسلمان قوموں کو انتہائی مرعوب کر دیا' یہاں تک کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ خود اسلام کی صداقت پر اپنا یقین کھو بیٹھا۔ علمائے کرام کا ایک گروہ دین کو بچانے کی کوشش تو کرتا رہا' مگر اس کا دائرہ توجہ بھی چند باتوں تک

سکڑ گیا۔ راقم ۱۹۴۴ میں کرنال کی ایک دینی درسگاہ کا طالب علم تھا۔ حنفی فقہ کی مشہور کتاب' ھدایہ میں جب عبادات اور نکاح و طلاق کے ابواب پڑھ لیے' تو استاد محترم نے فرمایا کہ کتاب المغازی (احکام جہاد) اور کتاب السیر (بین الاقوامی قانون) پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ نہایت مخلص اور صالح انسان تھے' مگر ان کا یہ مشورہ حالات کی ترجمانی پر مبنی تھا۔ ان پسماندہ حالات اور جمود و جحود کی فضا میں اسلامی تحریکوں نے احیائے اسلام کا بیڑا اٹھایا۔

ان تحریکوں نے اسلام کا اصل تصور خود مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ اور اس کا آغاز اس نقطے سے کیا جو خود قرآن کریم نے اختیار کیا ہے' یعنی توحید کا جامع تصور۔

مغربی تہذیب نے بھی مذہب اور سیاست کی تفریق کر دی تھی۔ مذہب چرچ کے حوالے کر کے سیاست کو حکمرانوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اس صورت حال نے دنیا میں فساد برپا کر دیا اور اب تک یہ فساد برپا ہے۔ اسلامی تحریکوں نے مسلمانوں کے ذہنوں سے اس غلط تصور کو بھی کھرچا۔ خدمات سب کی ہیں' لیکن یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ اس میدان کے اصل دھنی سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ہیں۔

## جاہلیت کی تشخیص

فکری میدان میں اسلامی تحریکوں نے یہ اہم کام بھی کیا کہ جاہلیت کی صحیح تشخیص کی۔ مسلمانوں کے لٹریچر میں جاہلیت سے مراد وہ زمانہ تھا جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے برسوں پر محیط تھا۔ قرونِ اولیٰ کے بعد مسلمانوں کی معاشرت میں جو عجمی روایات و عادات گھس آئیں اور انہوں نے مسلم معاشروں کے خالص اسلامی کردار کو داغدار کر دیا اور اسلام کا نظامِ حکمرانی بھی بُری طرح مجروح ہوا' ان سب خرابیوں کو مسلم تہذیب اور مسلم ثقافت کی فہرست میں شمار کیا جاتا رہا۔ حالانکہ یہ خرابیاں جاہلیت تھیں نہ کہ اسلامی تہذیب و ثقافت۔ اس غلط اندیشی کا نقصان یہ ہوا کہ مسلمانوں کے اندر جاہلیت کے خلاف جو نفرت ہونی چاہیے تھی وہ پیدا نہ ہوئی۔ اور یوں اسلام اور جاہلیت میں امتیازی خطوط گڈمڈ ہوتے رہے۔

تاریخ اسلامی میں مجددینِ کرام نے بار بار اس "جاہلیت" پر تنقید کی ہے اور اسے زندگی سے خارج کرنے کی دعوت دی ہے۔ بایں ہمہ صدیوں سے مسلمان اسی "مخلوط اسلامی تصور" میں گم رہے۔ مزید برآں عیسائی اور یہودی مستشرقین اور ان کے زلہ بردار مسلم مصنفین نے اس "مخلوط اسلامی تصور" کو مزید گہرا کرنے کی کوشش کی اور ہر وہ برائی یا منکر جسے اسلام نے مٹایا تھا اسے مسلمانوں کی تاریخ سے چُن چُن کر نکالا اور پھر اسے "اسلامی نظامِ حیات" کا امتیاز ثابت کیا۔ عربوں

میں اس کام کو لبنان اور مصر کے عیسائی مصنفین مثلاً میخائیل' جرجی زیدان اور حتی نے خوب کیا۔

دور حاضر میں اسلامی تحریکوں کو سب سے زیادہ جس مشکل مسئلے کا سامنا کرنا پڑا' اور ابھی تک وہ اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکی ہیں' وہ مسلمانوں کی سوچ اور زندگی سے "جاہلیت" کا اخراج ہے۔ اسلامی تحریکوں نے یہ حقیقت واشگاف کی ہے کہ "جاہلیت" کسی مخصوص عہد کا نام نہیں ہے' بلکہ یہ اس انفرادی کردار یا اجتماعی طرز زندگی کا نام ہے جو وحیِ الٰہی کی ہدایت پر استوار نہ ہو۔ اگر اسلامی قانون کی حکمرانی نہ ہو تو یہ جاہلیت ہے (المائدہ ۵:۵۰)' اگر مسلمان عورت بن ٹھن کر اپنے جسم کی نمائش کرتے ہوئے باہر نکلے تو یہ جاہلیت ہے (الاحزاب ۳۳:۳۳)' جنگ میں اگر تقویٰ کے بجائے قومی و قبائلی عصبیت کی راہ اختیار کی جائے تو یہ جاہلیت ہے (الفتح ۴۸:۲۶)' اور اگر اللہ کے بارے میں ناحق بدگمانی برتی جائے تو یہ جاہلیت ہے (آل عمران ۳:۱۵۴)۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو "وحشیانہ" کہنا یا انھیں انسانوں کے لیے نقصان دہ سمجھنا جاہلیت ہے۔ پس جب تک مسلمانوں کے اندر یہ احساس بیدار نہیں کیا جاتا کہ وہ قومی پیمانے پر بھی اور انفرادی زندگی میں بھی وسیع پیمانے پر "جاہلیت" کے نرغے میں ہیں' وہ جاہلیت کے خلاف نہیں اٹھ سکتے۔

اسلامی تحریکوں نے اس بیماری کا بھی علاج کیا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ' سید قطب شہید اور محمد قطب نے اسلام اور جاہلیت کا فرق واضح کیا' جاہلیت کے مظاہر و آثار کی' نشاندہی کی اور نسلِ نو کے اندر جاہلیت کے خلاف بیزاری اور اسلام پر خوداعتمادی کو اجاگر کیا۔ ان بزرگوں کی کوشش کا ہم یہ نتیجہ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان نوجوان آج عین جاہلیت کے مراکز' امریکہ اور یورپ میں رہ کر بھی جاہلیت سے متنفر اور اسلامی تہذیب کے فدائی بن چکے ہیں اور جاہلیت کے علمبردار انگشت بدنداں ہیں کہ جس چیز کو وہ اپنے پورے علم و فن کی طاقت سے فروغ دے رہے تھے وہ اپنے گھر میں نشانہ نفرت بن رہی ہے۔ امریکہ میں اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ (ICNA)' اسلامک سوسائٹیز آف نارتھ امریکہ (ISNA)' مسلم عرب یوتھ ایسوسی ایشن (MAYA)' اور ایم ایس اے (مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن) اور دیگر متعدد تنظیمیں اور مراکز "بیسویں صدی کی جاہلیت" کو اندر سے جھانک کر اس کے خلاف برسرپیکار ہو چکے ہیں۔ برطانیہ' جرمنی اور فرانس میں اسلامی تحریک کی بڑھتی ہوئی آواز عصری جاہلیت کے خلاف جدوجہد کا آغاز ہے۔

### ذہنی غلامی کا علاج

اس مثبت اور تعمیری کارنامے کے ساتھ' تحریکوں نے عقیدہ و فکر کے محاذ پر ایک اور اہم

فریضہ انجام دیا۔ اسے ہم فقہ کی زبان میں "تخلیہ قبل از تحلیہ" کہیں گے۔ یعنی کسی چیز کی تزئین و تعمیر کے لیے پہلے اسے بدنما داغوں اور فاسد مادوں سے صاف کرنا چاہیے۔

ملتِ اسلامی کا کارفرما اور تعلیم یافتہ طبقہ مغربی تہذیب سے بُری طرح مسحور و مغلوب ہو گیا تھا۔ سائنسی ایجادات کے جلو میں مغربی نظریات جو محض مفروضوں پر استوار تھے مسلمانوں کے ذہنوں پر اپنی دھاک بٹھاتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ اسلام کے بنیادی عقائد و ایمانیات پر بھی کچھ لوگوں کا ذہن متزلزل ہو چکا تھا اور کچھ رہنمائے قوم تو سرے سے الحاد اور دہریت کے علمبردار بن چکے تھے۔ دنیائے عرب میں طٰہٰ حسین، قاسم امین، علی عبدالرزاق ان میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ نیم برِاعظم ہند میں بھی ایسی شخصیتیں اٹھیں جنھوں نے تہذیبِ فرنگ سے مرعوب ہو کر اسلام کے اندر ترمیم و تبدیلی شروع کر دی۔ ان حالات میں مسلمان نوجوانوں کے اندر اسلام کے بارے میں خود اعتمادی مفقود ہو گئی اور وہ رہنمایانِ قوم کو دیکھ کر اپنی تہذیب و ثقافت سے بیزار ہونے لگے۔ سیاسی غلامی میں تو وہ پہلے ہی مبتلا تھے، اب وہ اس غلامی سے نجات پانے کے لیے جس جذبے کی ضرورت تھی اس سے بھی محروم ہو رہے تھے۔

ایک شکستِ وہ تھی جو مسلمانوں کو سیاسی اور عسکری میدان میں مغربی یلغار کے مقابلے میں پیش آئی۔ سلطان ٹیپو (ہند)، محمد بن احمد المہدی (سوڈان)، محمد بن محمد سنوسی (لیبیا)، عبدالکریم ریفی (مراکش) امیر عبدالقادر (الجزائر)، مصطفیٰ کامل پاشا (مصر) محمد عبداللہ (صومالیہ)، سب نے مغربی حملہ آوروں کا آخری دم تک مقابلہ کیا اور جہاد و دفاع کی لازوال داستانیں رقم کیں۔ مگر چونکہ مسلمان علم و فن میں پسماندہ ہو چکے تھے، اس لیے وہ اپنے زبردست مقابلے کے باوجود آخر کار شکست کھاتے رہے۔ مگر اصل شکست جو مسلمانوں کے لیے حقیقی زوال و انحطاط کا پیغام لے کر آئی وہ ذہنی اور نفسیاتی شکست تھی۔ پہلی قسم کی شکست کو مسلمانوں نے شکست خوردگی کے باوجود قبول نہیں کیا، مگر دوسری نوعیت کی شکست کو انھوں نے دل و جان سے قبول کیا، اور ایک گروہ تو اس پر فخر و ناز پر اتر آیا، اور اسے برائی کی بجائے خوبی اور ہزیمت کے بجائے نصرت سمجھنے لگا۔ اس سے بڑھ کر کسی رہزن کی کیا قسمت ہوگی کہ اس کی رہزنی کو "رہبری" کا نام دے دیا جائے اور ظالم و ستمگر کو اس کے ظلم پر ہار پہنائے جائیں۔

اسلامی تحریکوں نے اس بیمار ذہنیت کا بڑی حکمت و محنت سے علاج کیا۔ سائنس اور فرضی نظریات میں فرق واضح کیا۔ البتہ فرضی نظریات جو نہ صرف وحی الٰہی سے متصادم تھے، بلکہ عقلِ سلیم اور انسانی تجربات بھی ان کی تصدیق کرتے تھے، ان کی تردید کی، اور ان کے مقابلے میں

اسلامی نظریات کو پیش کیا۔ اور یہ کام اس قوت سے کیا کہ مسلمانوں کی نوجوان نسل تہذیب فرنگ کی حقیقت سے آشنا ہو گئی اور اسلام پر اس کا اعتماد بحال ہو گیا' اب مسلمان نوجوانوں کی بڑی تعداد یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں تعلیم بھی حاصل کرتی ہے' ان کے مفکرین کے نظریات بھی پڑھتی ہے' ان کے سائنسی اکتشافات اور ٹیکنالوجی کی نوبہ نو ایجادات بھی دیکھتی ہے اور پھر "خذما صفا و دع ماکدر" (صاف ستھرا لے لو اور میلا کچیلا چھوڑ دو) پر عمل کرتی ہے۔ الحاد و بے دینی کی فضا میں وہ خدا پرستی کی علمبردار ہے' بے حیائی کے طوفان میں شرم و عفت کی پابند ہے' اور بندگان ڈالر و سٹرلنگ کے سامنے ایمان و یقین کے تقاضوں پر عمل کرتی ہے۔ مغربی یونیورسٹیاں انگشت بدندان اور دست بسر ہیں کہ جن لوگوں کو ہم اپنی کان میں لا کر نمک بنانا چاہتے تھے وہ نمک بننے کے بجائے مزید کندن بنتے جا رہے ہیں۔ امریکہ اور یورپ کی اصل بوکھلاہٹ جو اسے بنیاد پرستوں کو دیکھ کر ہو رہی ہے اس کا اصل سبب یہی ہے۔ اسلام ذہنوں میں بحال ہو رہا ہے اور عملی زندگی میں اس کی پیروی شروع ہو چکی ہے۔ جبکہ تہذیبِ مغرب اندر سے کرم خوردہ ہو چکی ہے۔ منشیات' جنسی امراض' نسل پرستی' سود اور روحانی خلا اس کی دیوار کو کھوکھلا کیے جا رہا ہے اور عین ممکن ہے کہ کسی وقت بھی یہ دیوار دھڑام سے گر پڑے' جس طرح کیمونزم کی دیوار دیکھتے ہی دیکھتے زمین بوس ہو گئی ہے۔ (جاری ہے)

---

سال نو
کا
بہترین تحفہ

ھمقدم ڈائری ۹۴ء
آفسٹ کاغذ بہترین پرنٹنگ اور
خوبصورت جلد کے ساتھ اور
وال کیلنڈر، پاکٹ کیلنڈر
ادارے سے
حاصل کریں

قیمت 45 روپے
ڈاک خرچ 12 روپے

آپ رقم بذریعہ منی آرڈر
ارسال کریں اور ڈائری
رجسٹرڈ ڈاک سے حاصل کریں
وی پی ہرگز نہیں کی جائے گی۔

آپکا ادارہ، ادارہ مطبوعات طلبہ اچھرہ لاہور

# تحریکِ اسلامی: احتیاط کی ضرورت

سید معروف شاہ شیرازی

تاریخ کے جس دور سے ہم گزر رہے ہیں' وہ تحریکِ اسلامی اور عالمِ اسلامی کی تمام تحریکات کے لیے' کئی لحاظ سے نہایت اہم اور اس کے ساتھ ہی بہت خطرناک دور ہے۔ گذشتہ ایک سال میں اسلام کے لیے کام کرنے والوں نے جو فصل کاشت کی' وہ پکنے والی ہے۔ بعض مسلم ممالک میں اسلام غالب آنے کے قریب ہے' مثلاً: افغانستان' سوڈان' الجزائر' مصر اور وہ تمام مسلم ممالک جہاں تحریک منظم انداز میں کام کر رہی ہے۔

خطرناک اس لحاظ سے ہے کہ آج عالمی سطح پر طاقت کا توازن قائم نہیں رہا۔ آج سے چند برس قبل طاقت کا توازن یوں تھا کہ دنیا میں دو بلاک تھے۔ جب کہ آج صرف امریکہ کا طوطی چل رہا ہے۔ امریکہ' اپنے "واحد سپر طاقت" کے مقام کو مستقبل بعید تک قائم رکھنے کے منصوبے بنا رہا ہے' اور اس نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تمام سوشلسٹ صنعتی قوتیں جلد یا بہ دیر سیکولر جمہوری صنعتی قوتیں بن کر اس کے تابع ہو جائیں گی۔ رہا بھارت' تو وہ صنعتی قوت بھی نہیں' اس لیے وہ امریکہ کے تابع ہی رہے گا۔ امریکہ اس نتیجے پر پہنچ گیا ہے کہ دنیا میں کسی سپر طاقت کے پیدا ہونے کا اگر کوئی خطرہ ہے تو وہ عالم اسلام کی اسلامی تحریکات سے ہے۔ اس خطرے کا احساس امریکہ پر اس قدر غالب ہے کہ وہ اسلام کے نام سے بھی گھبراتا ہے۔ وہ بوسنیا کے کمزور مسلمانوں کو بھی برداشت نہیں کر سکتا' حالانکہ مستقبل قریب میں یورپ اور امریکہ کو ان سے کوئی خطرہ نہیں۔

امریکہ کی حالت یہ ہے کہ اس نے افغانستان اور الجزائر میں اسلامی حکومت کے قیام کی راہ

روک رکھی ہے۔ وہ مصر' پاکستان' یمن' سوڈان' اردن اور تمام اسلامی ممالک کی اسلامی تحریکات کو کچل دینا چاہتا ہے۔ امریکہ' برطانیہ اور فرانس سے ایسی رپورٹیں آرہی ہیں کہ وہاں کی حکومتیں وہاں کی مسلم آبادی کے اضافے کو خطرناک نظروں سے دیکھ رہی ہیں اور اسلامی تحریکات پر ہر جگہ بڑی کڑی نظر رکھی جارہی ہے۔

ایسے حالات میں اسلامی تحریکات کو چاہیے کہ وہ بڑے تدبر' غور و فکر اور نہایت ہی احتیاط کے ساتھ قدم آگے بڑھائیں اور جلد بازی سے کوئی کام نہ کریں۔ عجلت انسان کی سرشت میں ہے۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ' انسان جلد باز مخلوق ہے (الانبیا ۲۱ : ۳۷)۔ عجلت میں اٹھائے گئے قدم میں کامیابی کے امکانات کم اور ناکامی کے زیادہ ہوتے ہیں۔ ناکامی کی صورت میں کسی بھی تحریک کے کارکنوں میں مایوسی' افتراق' اختلافات اور بدگمانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ دنیا میں کوئی ایسی ٹیم کامیاب نہیں ہوسکتی' جس کے افراد میں مایوسی' افتراق' اختلافات اور سوئے ظن پایا جاتا ہو۔ کوئی بھی ایسا فیصلہ جو قرآن و سنت کے تو عین مطابق ہو' لیکن اس سے کسی خطرناک دور میں تحریک' بنیانِ مرصوص بننے کے بجائے تشتت و افتراق کا شکار ہورہی ہو تو تحریک کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اسے موخر کردے' کیونکہ تحریک کے اندر کامل یکجہتی' وحدت فکر' اتحاد و اتفاق تو کامیابی کے بعد بھی بہت ضروری ہے' چہ جائیکہ دُور دُور تک کامیابی کا نام و نشان نظر نہ آتا ہو اور لوگوں کی حالت یہ ہو کہ یاراں فراموش کردند عشق۔

قرآن کریم میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ کسی پیغمبر وقت نے اسلام کے ایک نہایت ہی بنیادی ستون کو موخر کردیا' جس پر اگر اس وقت زور دیا جاتا تو امت میں افتراق کا خطرہ تھا۔ تمام پیغمبروں کی دعوت کی اساس عقیدۂ توحید اور کلمہ توحید پر ہے۔ لیکن جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے اور ان کی عدم موجودگی میں سامری نے بنی اسرائیل کے لیے بچھڑا بنایا اور کہا کہ یہ ہے تمہارا خدا' موسیٰ علیہ السلام تو غلطی سے طور پر چلے گئے ہیں۔ بنی اسرائیل مصر میں بت پرستی کے عادی تھے۔ انہوں نے حضرت موسیٰؑ کی عدم موجودگی میں بت پرستی شروع کردی جب کہ اللہ کے نبی ہارون علیہ السلام ان میں موجود تھے حضرت ہارونؑ نے سمجھانے کی کوشش کی تو بنی اسرائیل نے صاف صاف انکار کردیا اور دھمکی دی کہ خاموش رہو ورنہ تمہیں قتل کردیں گے۔ چنانچہ بنی اسرائیل میں خانہ جنگی اور انتشار و افتراق پیدا ہو جانے کے خوف سے

حضرت ہارونؑ خاموش ہوگئے۔ جبکہ بنی اسرائیل نے کہہ دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے آنے تک تو ہم اس بچھڑے کی عبادت کرتے رہیں گے۔ جب وہ آئیں گے تو دیکھا جائے گا۔ حضرت موسیٰؑ جب تشریف لائے تو انھوں نے دوسروں کے علاوہ حضرت ہارون علیہ السلام سے بھی باز پرس کی تو انھوں نے یہ جواب دیا: اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ "مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ تو آکر کہے گا" تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا پاس نہ کیا (طٰہٰ ۲۰: ۹۴)۔ شاید موسیٰ علیہ السلام یہ کہہ گئے تھے کہ بنی اسرائیل کے درمیان اتحاد قائم رکھنے کے لیے سعی کرنا۔

جلد بازی نہ کرنے اور اپنی صفوں میں اتحاد قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ تحریک اسلامی کے کارکنوں اور لیڈرشپ کے لیے صبر اور مصابرت ضروری ہے۔ قرآن کریم کا صریح وعدہ ہے کہ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ "زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے" (الانبیا ۲۱: ۱۰۵)۔

ہم ہمیشہ اپنی ناکامیوں کے خارجی عوامل تلاش کرتے ہیں، داخلی کمزوریاں ہماری نظروں سے اوجھل ہوتی ہیں، تحریک اسلامی کو اپنی داخلی کمزوریوں کی طرف بھی دیکھنا چاہیے۔ اگر ہم "عباد صالح" ہوگئے ہیں تو فتح و کامرانی ہمارا استحقاق ہے۔ یہ بات تورات، انجیل اور زبور میں ریکارڈ پر ہے۔ کیا ہم اس قدر بے باک ہوگئے ہیں کہ ہم کتب سماوی کو جھٹلانے کے لیے تو تیار ہیں، لیکن اپنے داخلی تضادات، اپنی داخلی کمزوریوں پر نگاہ ڈالنے کے لیے تیار نہیں۔ حقیقت صرف اتنی ہے کہ ہم "صالح بندے" نہیں ہیں۔ جب تک ہم صلاحیت اور صالحیت دونوں اپنے اندر پیدا نہ کریں گے، اس وقت تک کامیابی ممکن نہیں ہے۔

۱۹۵۷ کے ماچھی گوٹھ کے اجتماع میں جو راہ ہم نے اختیار کی (اور یقیناً وہ راہ درست تھی)، اس کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ ہم ہر ووٹر تک رسائی حاصل کریں۔ الیکشن کے تجربات یہ بتاتے ہیں کہ صرف پانچ فیصد ووٹروں تک ہماری رسائی ہے۔ اگر ہم صرف پانچ فیصد ووٹروں تک رسائی رکھیں اور پانچ فیصد ووٹ کی توقع رکھیں تو کس طرح ہم منزل پاسکتے ہیں۔ جس راہ کو ہم نے شرح صدر سے قبول کیا ہے، اس کے تقاضے پورے کرنا ہمارا کام ہے۔ ووٹر کا دل تب ہی جیتا جاسکتا ہے کہ اس کے ساتھ گہرا رابطہ ہو۔ کیا ہمارے کارکنوں نے کوئی رابطہ کیا ہے؟

ہمیں یہ سروے کرنا چاہیے کہ ہمارے امیدواروں میں سے کتنے لوگ عوام کے غم اور خوشی میں شریک ہوتے ہیں۔ اور ہوں بھی کیسے ؟ جب امیدوار کو الیکشن سے ایک ماہ قبل بھی پتا نہیں ہوتا کہ وہ امیدوار ہے۔ ہم میں کوئی شخص اپنے لیے خود منصوبہ نہیں بناتا۔ ہمیں الیکشن سے پانچ سال قبل اپنے امیدوار کے لیے منصوبہ بنانا چاہیے۔ اگر ہم یہ نہیں کرتے تو پھر ہمیں پہلا اصول چھوڑ دینا چاہیے اور اعلان کر دینا چاہیے کہ جو لوگ الیکشن لڑنا چاہیں وہ آزادانہ کام کریں۔ موقعہ آنے پر ان میں سے ہم کسی اچھے شخص کو اپنا امیدوار نامزد کر دیں۔ اگر ہم یہ بھی نہیں کرتے اور وہ بھی نہیں مانتے تو پھر تیسری راہ ناکامی کی راہ ہے۔ اسے قبول کیجیے۔

ہمارے اندر بڑی کمزوری یہ در آئی ہے کہ ہم ہر چیز کو اس کے نتیجے کے اعتبار سے حق و باطل قرار دیتے ہیں۔ ہمارے لاشعور میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ حق وہ ہے جس کا نتیجہ اچھا ہو' اور ہر وہ پالیسی باطل ہے جس کے نتیجے میں ناکامی ہو۔ حق و باطل کا یہ تاجرانہ تصور ہے۔ یہ فلسفہ افادیت ہے' جب کہ حق وہ ہے جس پر یہ پوری کائنات قائم ہے۔ جو طریقہ قرآن و سنت میں ہے وہ حق ہے' چاہے اس کے نتیجے میں کامیابی حاصل ہو یا نہ ہو۔ ہمیں چاہیے کہ ہم قرآن و سنت کے مطابق اپنے لیے صحیح راہ تجویز کرلیں۔ یہ راہ ۱۹۵۷ سے ادھر تجویز شدہ ہے' بار بار اس پر غور ہوتا ہے اور شوریٰ اسی نتیجے پر پہنچتی ہے۔ اب اگر ہمیں ناکامی ہوتی ہے' تو اس کے اسباب داخلی ہوتے ہیں۔ جہاں تک نظریہ افادیت کا تعلق ہے' تو قرآن نے اس کی سخت مذمت کی ہے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایسے فلسفی موجود تھے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اِطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کنارے پر رہ کر اللہ کی بندگی کرتا ہے۔ اگر فائدہ ہوا تو مطمئن ہوگیا اور جو کوئی مصیبت آگئی تو الٹا پھر گیا' اس کی دنیا بھی گئی اور آخرت بھی۔ یہ ہے صریح خسارہ (الحج ۲۲ : ۱۱)۔ تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کا دین ایسے تاجرانہ فلسفہ کو کس طرح قبول کر سکتا ہے۔

تحریک کو صرف اس نکتے پر غور کرنا چاہیے کہ آیا ہمارے طریقِ کار کے اندر کوئی بات قرآن و سنت کے خلاف تو نہیں ہے۔ اگر ہم اس بات پر مطمئن ہو جائیں کہ ہمارے طریقِ کار اور ہماری پالیسی میں کوئی بات قرآن و سنت کے خلاف نہیں تو پھر یہ بات پیش نظر نہیں رکھنی چاہیے

کہ ہم کامیاب ہوتے ہیں یا نہیں۔ کامیابی اور ناکامی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے ملک کے حالات، کارکنوں کے حالات اور اللہ کے فیصلے سے یہ نظر آتا ہے کہ ابھی تک ہم اس معیار مطلوب تک نہیں پہنچے، اس لیے ہمیں کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ جس وقت داخلی معیار اور خارجی حالات درست ہوں گے تو اللہ کا فیصلہ آجائے گا۔

ابھی اللہ نے ہمارے صبر، مصابرت اور ثابت قدمی کا امتحان لینا ہے۔ لَيَنصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنصُرُهٗ، اللہ ان لوگوں کی مدد ضرور کرتا ہے جو اللہ (کے دین) کی مدد کرتے ہیں (الحج ۲۲: ۴۰)۔ جب اسلامی نظامِ حیات کے لیے جاری جدوجہد معیار مطلوب تک پہنچ جائے گی تو پھر اللہ کی نصرت کے آنے میں ایک لمحے کی تاخیر بھی نہیں ہوگی۔ صدق اللہ العظیم۔

---


اہم قرآنی موضوعات پر

خرم مراد کے ۱۴ ماڈل درسِ قرآن

تحریکی ضروریات پوری کرنے کے لیے

گھروں میں، گاڑیوں میں، اجتماعات اور تربیت گاہوں میں

سُننے اور سُنانے کے لیے

- الفاتحہ۔ التوبہ۔ النساء۔ یونس۔ الکہف۔ النمل۔ یٰسین
حٰم سجدہ۔ الواقعہ۔ الحدید۔ الحاقہ۔ الضحٰی کی منتخب آیات
کے ۱۵ منٹ کے یہ مختصر درس ایمان کو تازگی بخشتے ہیں اور عمل پر ابھارتے ہیں۔

رمضان المبارک میں۔ اور اس کے بعد بھی اعزّہ و احباب کے لیے

خوبصورت تحفہ

۷ کیسٹ کے خصوصی ڈبّے میں

ہدیہ: ۱۴۰/- روپے
ڈاک خرچ بذمہ ادارہ

صدائے اسلام منصورہ لاہور ۵۴۵۷۰

کراچی میں ملنے کا پتہ: سمع و بصر، امبر صوقل، نرسری، کراچی

ادارہ معارف اسلامی منصورہ ۔ لاہور

کی

# نئی مطبوعات

فقہی انسائیکلو پیڈیا

## موسوعہ فقہ حضرت ابوبکرؓ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فقہی آراء کا مجموعہ

○ تصنیف : ـــــ ڈاکٹر رواس قلعجی

○ ترجمہ : ـــــ مولانا عبدالقیوم

صفحات ـــــ ۲۰۸

قیمت ـــــ ۵۰ روپے

فقہی انسائیکلو پیڈیا

## موسوعہ فقہ حضرت عثمانؓ

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقہی آراء کا مجموعہ

○ مصنف : ـــــ ڈاکٹر رواس قلعجی

○ ترجمہ : ـــــ الیف الدین ترابی

صفحات ـــــ ۳۲۰

قیمت ـــــ روپے

فقہی انسائیکلو پیڈیا

## موسوعہ فقہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقہی آراء کا مجموعہ

○ مصنف : ـــــ ڈاکٹر رواس قلعجی

○ ترجمہ : ـــــ مولانا عبدالقیوم

صفحات ۶۰۴

قیمت ۲۰۰ روپے

فقہی انسائیکلو پیڈیا

## موسوعہ فقہ حضرت عمرؓ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقہی آراء کا مجموعہ

○ تصنیف : ـــــ ڈاکٹر رواس قلعجی

○ ترجمہ ـــــ مولانا ساجد الرحمٰن صدیقی

صفحات ـــــ ۷۰۸

قیمت ۲۵۰ روپے

فقہی انسائیکلو پیڈیا

## موسوعہ فقہ حضرت علیؓ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی فقہی آراء کا مجموعہ

○ مصنف : ـــــ ڈاکٹر رواس قلعجی

○ ترجمہ : ـــــ مولانا عبدالقیوم

صفحات ۸۱۴

قیمت ۳۰۰ روپے

### بوسنیا

مولانا خلیل احمد حامدی

تاریخ ۔ جغرافیہ ۔ داستان جہاد

○ صفحات : ۲۵۶ ○ قیمت : ۷۵/۰۰ روپے

### صدائے رستاخیز

الجمعیۃ دہلی میں سید مودودیؒ کے ۱۹۲۵ء کے اداریے اور مضامین

جمع و ترتیب ـــــ مولانا خلیل احمد حامدی

○ صفحات : ۵۵۲ ○ قیمت : ۱۵۰/۰۰ روپے

### عورت معرض کشمکش میں

مصنف ـــــ مولانا نعیم صدیقی

صفحات : ۳۰۸ قیمت : ۱۱۳/۰۰ روپے

### حرمت سود

(عدالت عالیہ میں)

وفاقی شرعی عدالت کے سوالنامے کا مفصل جواب

ـــــ مولانا گوہر رحمٰن

○ صفحات : ۱۱۶ ○ قیمت : ۲۵/۰۰ روپے

### بانگ سحر

جمع و ترتیب مولانا خلیل احمد حامدی

الجمعیۃ دہلی میں مولانا مودودیؒ کے ۱۹۲۶ء کے اداریے اور مضامین

سفید کاغذ کمپیوٹر کمپوزنگ ۔ جاذب نظر ٹائیٹل

○ صفحات : ۳۴۴ ○ قیمت : ۱۳۰/۰۰ روپے

### مسلم دنیا

(شمارہ ۲-۳)

۱۹۹۱-۹۲ء

ہر لائبریری کی ضرورت

دنیائے اسلام کے تازہ ترین حالات و واقعات کا مرقع

صفحات : ۵۳۰ قیمت ۱۵۰/۰۰ روپے

### ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک

مصنف : مولانا مسعود عالم ندوی

صفحات : ۲۰۶ قیمت ۵۱/۰۰ روپے

### آفتاب تازہ

زیر طبع

۱۹۲۷ء

الجمعیۃ دہلی میں سید مودودیؒ کی زندہ جاوید تحریریں

○ صفحات : ۳۵۶ ○ قیمت ۱۳۵/۰۰ روپے

### یادگار لمحات

تصنیف : عاصم نعمانی

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی رفاقت میں گزرے ہوئے یادگار لمحات اور یادداشتیں

صفحات : ۳۰۸ قیمت : ۹۳/۰۰ روپے

### ہندوستانی مفسرین اور ان کی تفسیریں

مصنف : ڈاکٹر سالم قدوائی

صفحات : ۳۰۸ قیمت ۸۳/۰۰ روپے

### جلوۂ نور

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

جمع و ترتیب مولانا خلیل احمد حامدی

صفحات : ۲۶۰ قیمت : ۹۰/۰۰ روپے

### اقبال کا شعلۂ نوا

تصنیف : نعیم صدیقی

صفحات : ۲۲۳ قیمت : ۹۰/۰۰ روپے

ملنے کا پتہ: المنار بک سنٹر ○ منصورہ ○ لاہور ○ پاکستان فون : ۴۲۷۹۱۳ ، ۴۳۰۰۳۳

اسلام اور مغرب

# اسلام اور مسلمان

## اہلِ مغرب کی نظروں میں

مسلم سجاد

نئی صدی کے آغاز پر عالمی منظر، مغرب اور اسلام کی کشمکش کی شکل اختیار کر رہا ہے۔ مستقبل کی صدی کس کی ہو گی؟ یقیناً یہ اسلام کی ہو سکتی ہے، اگر مسلمان اپنے مقام کو پہچان کر سرگرمِ عمل ہو جائیں۔ آج مغربی تہذیب ایک غالب تہذیب ہے، لیکن اس نے انسانیت کو جو دکھ دیے ہیں، اور خاندانی زندگی میں جو زہر گھولے ہیں، اس کے کرب سے سب ہی چیخ اٹھے ہیں۔ تبدیلی کی طلب ہے، لیکن یہ تبدیلی کیا ہو۔ کسی نئے راستے کی تلاش ہے، لیکن یہ راستہ کیا ہو۔ آج کے مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ مغرب کے عوام اور خواص سب تک اسلام کی حقیقی دعوت پہنچائیں۔ تبدیلی کی طلب اور راستے کی تلاش دراصل دینِ فطرت کی پیاس ہے۔ کیوں نہ ہم سیراب کرنے والے بنیں۔

مغرب میں دعوت کا وسیع میدان ہے۔ وہاں ان گنت ادارے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام کر رہے ہیں، لیکن کسی بھی معاشرہ میں دعوت کا کام کرنے کے لیے اس معاشرہ کو سمجھنا ضروری ہے۔ جب تک مخاطبین کے رجحانات، ان کی آراء اور پسند و ناپسند، اور مختلف معاملات یا واقعات پر ان کے رویوں کا مناسب اندازہ یا علم نہ ہو، اللہ کے راستے کی طرف حکمت سے بلانے کا تقاضا کماحقہ ادا نہیں ہو سکتا۔ ایک کامیاب داعی وہی ہو گا جو ان رویوں کا اندازہ کر کے، مخاطب کے حالات، کیفیات اور نفسیات کا لحاظ رکھ کر اپنی بات پیش کرے۔

یہ اندازہ ہر دعوت پیش کرنے والا فطری طور پر کرتا ہی ہے۔ لیکن گذشتہ برسوں میں

شماریاتی جائزوں کی بنیاد پر رجحانات کے تعین کے فن نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ لوگوں کے رجحانات اور ردعمل کا بڑی حد تک ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانا ممکن ہوگیا ہے۔ خود ہمارے ملک میں بھی انتخابات کے موقع پر اس طرح کے جائزے لیے گئے ہیں اور نتائج نے ان کی صحت بھی ثابت کی ہے۔

اسلام کی دعوت پیش کرنے والے اس جدوجہد میں اپنی صلاحیت اور جان و مال کھپاتے ہیں' اور یقیناً اجرِ الٰہی کے حصول کے لیے ہی کھپاتے ہیں' لیکن مقاصد اور حکمتِ عملی کے تعین اور اس کے نتائج و اثرات کے جائزوں کے بغیر محض مصروف و مشغول رہنا یقیناً مطلوب نہیں ہے۔ ہر داعی کے لیے اسوہ حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اسے قرآن اور سنت کی ابدی رہنمائی میں کام کرنا ہوتا ہے۔ ایک حدیث کے مطابق کسی کام کو احسن طور پر کرنا ایمان کا حصہ ہے۔ اگر دعوت' حکمت کے ساتھ اور منصوبہ بندی کے ساتھ نہ دی جائے تو یقیناً یہ صلاحیت اور جان ومال کا ضیاع ہوگا۔

اسی حقیقت کو پیشِ نظر رکھ کر امریکہ اور برطانیہ کے کچھ اداروں نے اپنے ممالک میں اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے رجحانات کے لیے سروے کروائے ہیں۔ ان میں سے دو کو جو امریکہ اور برطانیہ سے متعلق ہیں یہاں اختصار سے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کے دو مقاصد ہیں۔ ہمارے عوام میں مغرب کے بارے میں جاننے کی ایک طلب ہے۔ سی این این اور ڈش انٹینا نے مغرب کو ہماری زندگیوں کے بہت قریب کردیا ہے۔ یہ مغرب اسلام کے بارے میں کیا سوچتا ہے۔ یہ یقیناً ہم سب کے لیے بھی دلچسپی کی بات ہے۔ دوسرے یہ کہ اردو جاننے والی آبادی کے اندر مغرب میں تبلیغِ اسلام کے لیے سرگرمِ عمل افراد' گروہ اور تنظیموں کے منتظم اور سرپرست موجود ہیں۔ اس پس منظر کا بہتر سے بہتر علم جس میں انھیں کام کرنا ہوتا ہے' ان کی کارکردگی پر یقیناً خوشگوار اثرات مرتب کرے گا۔ ایک تیسرا مقصد بھی ہے' جس کی طرف آخر میں اشارہ کریں گے۔

### برطانوی عوام کی آرا

برطانیہ کے رائے عامہ کا جائزہ لینے والے معروف ادارہ MORI نے اقراء کے لیے یہ سروے کیا ہے۔ اس سروے میں ۱۵ سال یا اس سے زائد عمر کے ۱۹۵۷ افراد کا سیمپل لیا گیا ہے۔ جوابات دسمبر ۱۹۹۰ میں بالمشافہ ملاقات کے ذریعے حاصل کیے گئے۔ واضح رہے کہ اس طرح کے سیمپل کا تعین اتنے سائنسی طریقے سے کیا جاتا ہے کہ کل آبادی پر اس کے

نتائج کے اطلاق میں مشکل سے ۳ فیصد غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔ اس تحقیقی مطالعے کے ذریعے سات امور کے بارے میں معلومات حاصل کرنا پیش نظر تھا:

۱۔ برطانیہ کے عوام اور مسلمانوں میں کس درجہ کا ربط ہے۔
۲۔ اسلام کے بارے میں ان کی معلومات کی سطح کیا ہے۔
۳۔ ان کی نظروں میں اسلام کا امیج (IMAGE) کیا ہے۔
۴۔ مسلمانوں کے بارے میں اچھی یا بری رائے رکھنے والوں کا تناسب کیا ہے۔ اور اس رائے کی وجوہات کیا ہیں۔
۵۔ وہ اسلام کو کیا سمجھتے ہیں۔ ایک مذہب، یا ایک طریقۂ حیات یا محض ثقافتی و نسلی گروہ۔
۶۔ ان کی نظروں میں اسلام کی کون سی اقدار اور معیارات اہمیت رکھتے ہیں۔
۷۔ اسلام کے کن تقاضوں پر عمل کرنے سے برطانوی طرز زندگی سے ٹکراؤ ہوتا ہے۔

## مسلمانوں سے رابطہ

برطانیہ کی ۵۹ فی صد آبادی کسی مسلمان کو نہیں جانتی۔ ۱۹ فی صد کسی او رملک کے مسلمانوں کو جانتے ہیں، مگر ان کو بھی ذاتی طور پر نہیں جانتے۔ صرف ۱۱ فی صد کا کوئی نہ کوئی مسلمان دوست ہے۔ لندن میں مسلمان دوست رکھنے والوں کی تعداد ۲۸ فی صد ہو جاتی ہے۔ ۴ فی صد مسلمانوں کے پڑوسی ہیں۔

## معلومات کی سطح

اکثر و بیشتر لوگوں نے اسلام کا نام نہیں سنا یا اس کے بارہ میں کچھ نہیں جانتے۔ ۴۶ فیصد آبادی نے اسلام کا نام سنا تو ضرور ہے، لیکن اس کے بارہ میں جانتے کچھ نہیں، جب کہ ۱۴ فی صد نے کبھی نام بھی نہیں سنا۔ ۳۳ فی صد یہ کہتے ہیں کہ وہ اسلام کے بارہ میں تھوڑا بہت جانتے ہیں اور ۷ فی صد یہ سمجھتے ہیں کہ اچھا خاصا جانتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جن کا کوئی مسلمان دوست ہے، ان کی ۲۷ فی صد تعداد اسلام کو اچھا خاصا جانتی ہے لیکن جن کا کوئی مسلمان دوست نہیں ہے، ان کے صرف ۲ فی صد اسلام کے بارے میں کچھ زیادہ جانتے ہیں۔ گویا مسلمان سے دوستی یا واقفیت اسلام سے واقفیت کا اہم ذریعہ ہے۔

## مسلمانوں کا امیج

اسلامؔ کا نام سننے سے آپ کے ذہن میں بے ساختہ کیا تصور آتا ہے؟ سب سے بڑی

تعداد' یعنی ۱۹ فی صد نے یہ بتایا کہ مسلمان مذہبی اور اپنے عقیدہ کے معاملہ میں سخت ہوتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر جنونی اور انتہا پسند کا تصور دیا گیا (۱۴ فیصد)۔ اپنی زندگیوں میں غیر لچکدار رویہ رکھتے ہیں' اور قیود کے پابند ہوتے ہیں' یہ کچھ اور تاثرات تھے۔

امیج کے حوالے سے ایک دلچسپ مطالعہ یہ کیا گیا کہ اچھی اور بری رائے رکھنے والوں کی نظروں میں کیا امیج ہے؟

مسلمانوں کا مذہبی اور مضبوط عقیدہ والا ہونا' اچھی رائے رکھنے والوں کے ۳۳ فی صد اور بری رائے رکھنے والوں کے ۱۷ فی صد کے لیے اسلام کا امیج ہے۔ بری رائے رکھنے والے ۳۲ فی صد اور اچھی رائے رکھنے والے ۹ فی صد ان کو جنونی اور انتہا پسند تصور کرتے ہیں۔ خواتین پر ظلم کرنے والے کا امیج بھی بری رائے رکھنے والوں میں سے ۱۴ فی صد اور اچھی رائے رکھنے والے ۶ فی صد کا ہے۔

اس مطالعہ کا سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ ایک بہت بڑی تعداد یعنی ۳۰ فیصد کی کوئی واضح رائے نہیں ہے' نہ اچھی' نہ بری۔

### اسلام کے بارے میں رویہ

اسلام کے بارہ میں رویوں کا سوال ان ۱۰۷۱ افراد سے کیا گیا۔ جنھوں نے اسلام کے بارے میں کچھ نہ کچھ سنا ہے۔ ۵۶ فی صد اکثریت کا اسلام کے بارے میں' نہ اچھا نہ بُرا' کوئی رویّہ نہیں ہے۔ جب کہ ۲۴ فی صد ناپسندیدہ اور صرف ۱۲ فی صد پسندیدہ رویہ رکھتے ہیں۔ منفی اور مثبت رویے کا تناسب ۲ : ۱ ہے۔ یہ پہلو بھی اہمیت رکھتا ہے کہ جن کا کوئی مسلمان دوست ہے ان کے ۲۷ فی صد اچھی رائے رکھتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں جن کا کوئی مسلمان دوست نہیں ہے ان کے صرف ۷ فی صد اچھی رائے رکھتے ہیں۔

ساتھ ہی یہ مطالعہ کیا گیا کہ اچھی یا بری رائے رکھنے کی وجوہات کیا ہیں؟

اچھی رائے رکھنے والے ۲۰۲ افراد سے پوچھا گیا تو ۲۹ فی صد افراد نے یہ وجہ بتائی کہ مسلمان دوسرے مذہب کے لیے جذبہ احترام رکھتے ہیں۔ دیگر وجوہات میں بتایا گیا کہ اچھے لوگ ہیں' اپنے مذہب سے وابستگی رکھتے ہیں۔ ذاتی واقفیت کا موقع ملا ہے۔ مذہبی عقاید میں سخت ہوتے ہیں' اہل و عیال کا خیال رکھتے ہیں' پرامن ہیں' اور یہ کہ اسلام عیسائیت کے مماثل ہے۔

بری رائے رکھنے والے ۴۲۳ افراد کے جوابات سے یہ وجوہات معلوم ہوئیں: ۳۵ فی

صد کے نزدیک مسلمان اندھا اور پرجوش ایمان رکھتے ہیں' ۱۵ فی صد کے نزدیک مسلمان چاہتے ہیں کہ ہم بھی ان کے عقائد اختیار کرلیں' ۱۴ فی صد کے نزدیک مسلمان جارحانہ تشدد کے رویہ کے حامل ہیں' ۱۰ فی صد کے نزدیک خواتین کو مساوی حقوق نہیں دیتے۔

## اسلام کا تصور

برطانیہ کے عوام اسلام کو کیا سمجھتے ہیں: مذہب؟ ثقافت؟ یا ایک نسلی گروہ؟ اس جائزہ کے مطابق ۴۵ فی صد اسلام کو ایک مذہب' اور ۴۰ فی صد ایک طریقہ زندگی سمجھتے ہیں۔ ۳۰ فی صد ایک ثقافتی وحدت تصور کرتے ہیں۔ اور ۱۸ فی صد یہ غلط تصور بھی رکھتے ہیں کہ مسلمان ایک نسلی گروہ ہیں' اور یہ تصور بھی بیشتر بری رائے رکھنے والوں میں ہے۔

## اسلامی اقدار

ان کی نظروں میں کون سی اسلامی اقدار اسلامی نقطۂ نظر سے اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ سوال صرف ان سے کیا گیا جنہوں نے اسلام کے بارے میں کچھ نہ کچھ سن رکھا تھا (۱۷۰۱ افراد)۔ انہیں ایک فہرست میں سے انتخاب کا موقع دیا گیا۔ ایک اللہ کی عبادت' اس پر ایمان' اور اس کی اطاعت' ان تین اقدار کا ۴۰ فی صد نے انتخاب کیا۔ چوتھی چیز ضبط نفس ہے' جسے ۳۶ فی صد نے منتخب کیا۔

## برطانوی طرزِ زندگی سے ٹکراؤ

اس حوالے سے جواب دہندگان نے سرِفہرست حلال گوشت کا مسئلہ (۴۸ فی صد) رکھا۔ علاج معالجہ میں عورت اور مرد کی علیحدگی (۴۵ فی صد) دوسرے نمبر پر تھا۔ پانچ وقت نماز کی ادائیگی کو تیسرا نمبر (۳۶ فی صد) ملا۔ ساتر لباس ۳۳ فی صد کی' شراب اور سور کے گوشت سے پرہیز ۱۸ فی صد کی' اور عیدین کی چھٹیاں ۱۵ فی صد کی رائے میں ٹکراؤ کے نکات تھے۔

## امریکی عوام کے رویے

اسی نوعیت کا ایک سروے مارچ ۹۳ میں امریکی مسلم کونسل کے ایما پر جان زگبی گروپ نے کیا۔ آبادی کے تناسب سے کل ۴۸ ریاستوں سے سیمپل کے لیے مقامات کا انتخاب کیا گیا۔ یہ مطالعہ ۹۰۵ بالغ افراد کی رائے پر مشتمل ہے۔ غلطی کا امکان ۳ فی صد سے

زیادہ نہیں ہے۔ یہاں عمومی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ دلچسپی رکھنے والے یہ بھی معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ آرا رکھنے والے کسی ریاست میں کتنے فی صد ہیں، کس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، کس کس عمر کے ہیں، تعلیمی قابلیت کیا ہے۔ ان میں ۴۲ فی صد مرد اور ۵۶ فی صد خواتین ہیں۔

سروے سے کچھ ہی پہلے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا دھماکہ ہوا تھا۔ ۲۰ فی صد کی یہ رائے تھی کہ مسلمانوں کے بارے میں رویہ پر اس کے منفی اثرات ہوں گے ___ ہو سکتا ہے کہ مجموعی جائزہ کو اس نے متاثر کیا ہو۔

اب کچھ قابل ذکر نکات۔

___ ۴۲ فی صد افراد کی رائے میں مسلمانوں کی امریکہ میں آمد پر پابندی لگانا چاہیے، ۳۱ فی صد کہتے ہیں کہ نہیں۔ ۲۱ فی صد کی کوئی رائے نہیں۔

___ ۳۶ فی صد لوگ مسلمانوں کے بارے میں بری رائے رکھتے ہیں، ۲۲ فی صد اچھی رائے رکھتے ہیں اور ۴۱ فی صد غیر جانبدار ہیں۔

___ ۴۳ فی صد لوگ اس بیان کی تائید کرتے ہیں کہ مسلمان مذہبی جنونی ہوتے ہیں۔ ۲۴ فی صد اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ ۳۶ فی صد واضح رائے نہیں رکھتے۔

___ ۳۸ فی صد افراد سمجھتے ہیں کہ مسلمان صاف ستھری زندگی گزارتے ہیں۔ صرف ۱۵ فی صد اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ ۴۸ فی صد واضح نہیں ہیں۔

___ ۳۴ فی صد کے خیال میں مسلمانوں کی اکثریت دہشت گرد ہے۔ ۱۷ فی صد ایسا نہیں سمجھتے۔

___ ۴۲ فی صد لوگوں نے یعنی ہر دس میں سے چار نے تسلیم کیا کہ امریکی معاشرہ میں مسلمانوں سے امتیاز برتنے کا رجحان ہے۔ ۲۲ فی صد نے اختلاف کیا اور ۳۶ فی صد نے کوئی رائے نہیں دی۔

___ ۳۸ فی صد یعنی تقریباً ہر دس میں سے چار اس کے حامی ہیں کہ مسلمانوں کو جمعہ کی نماز کے لیے وقفہ دیا جانا چاہیے۔ جب کہ ۳۴ فی صد کو اس سے اختلاف ہے۔

___ دس میں سے چھ، یعنی ۵۸ فی صد اس رائے کے حامی ہیں کہ اگر مسلمان خواتین چاہیں تو انہیں کام کے دوران حجاب استعمال کرنے کی اجازت ہونا چاہیے۔ صرف ۲۰ فی صد اس سے اختلاف کرتے ہیں۔

## لائحہ عمل

سرد جنگ کے بعد سے مغرب خصوصاً امریکہ کے پالیسی سازوں کا ہدف مسلمان بن گئے ہیں' اور وہ اسے اپنے نئے دشمن کے روپ میں دیکھ رہے ہیں۔ آج سطح زمین پر جہاں بھی جنگ کی آگ سلگ رہی ہے' اسلامی تحریکیں اور مسلمان اس جگہ موجود ہیں۔ ذرائع ابلاغ نے ہر ایک کے سامنے سب کچھ اتنا واضح کر دیا ہے کہ یہ آگ ہر جگہ محسوس کی جا رہی ہے۔ مغرب اور اسلام کی کشمکش تو بہت پرانی اور تاریخی ہے لیکن گذشتہ نصف صدی تو موجودہ نسل کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ مصر' پاکستان اور پھر ایک کے بعد ایک دوسرے ممالک میں تحریکِ اسلامی کا آغاز ہوا ــــــ انقلابِ ایران' سوڈان میں تبدیلی' اور الجزائر میں امکانات کو کچلنے کی کوششیں' مصر میں انسانیت سوز رویہ اور خود بوسنیا میں جو کچھ ہوا' اور ہو رہا ہے' اس نے مغرب کے عام ذہن میں اسلام اور مسلمانوں کو موضوع بنا دیا ہے۔

ان مغربی ممالک میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد گئی ہے اور مختلف علاقوں میں اپنی بستیاں آباد کر لی ہیں۔ اسلام کا تحریکی شعور رکھنے والوں نے وہاں دعوت کے بیج بھی ڈالے' اور وہ کچھ نہ کچھ برگ و بار بھی لائے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ اگر ہر مسلمان اپنے منصب سے واقف اور داعی ہوتا تو اس طویل مدت تک اتنے مسلمانوں کا مغرب میں رہنا ہی مغرب کی کایا پلٹ دیتا۔ لیکن اس وقت ان جائزوں سے جو صورت حال سامنے آئی ہے' اس سے جہاں ماضی کی کوتاہی سامنے آتی ہے' وہاں مستقبل کے امکانات بھی نظر آتے ہیں۔

دعوت کا کام کرنے والوں نے عموماً اپنے ہم مسلک افراد ہی میں کام کو محدود کر لیا۔ لیکن جہاں مقامی افراد تک آواز پہنچائی گئی ہے' جواب ملا ہے۔ ان دنوں چند مسلمان ہونے والے غیر مسلموں نے کھل کر کہا ہے کہ ہم اب تک گمراہی کی تاریکی میں زندگی گزارنے پر اپنے آس پاس رہنے والے مسلمانوں کا گریبان قیامت کے روز پکڑیں گے۔ ان جائزوں کی سب سے بڑی دریافت یہ ہے کہ میڈیا میں' اور سرکاری پالیسیوں کے تحت' منفی پروپیگنڈہ کے باوجود ابھی بہت بڑا طبقہ ایسا ہے کہ اس کی اپنی رائے نہیں ہے۔ اچھی خاصی تعداد ایسے افراد کی ہے جو اسلام کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہیں۔ برطانیہ کے سروے کے مطابق ۵۶ فی صد اور امریکہ میں تقریباً ۵۰ فی صد ایسے افراد ہیں جن کے ذہن کھلے ہیں' اور دعوت پہنچائی جائے تو مثبت ردِعمل کی توقع ہے۔ یہ بڑی خوشگوار بات ہے کہ جو لوگ ساتھ رہے ہیں' وہ ہی زیادہ اچھی رائے رکھتے ہیں۔ یہ سب' بات صحیح طرح سنائی جائے تو' ماننے والے

لوگ ہیں۔ مغربی معاشرہ میں کام کرنے والوں کی حکمتِ عملی یہ ہونا چاہیے کہ ان افراد تک ان کی زبان اور انداز میں دعوت پہنچائی جائے' سارے وسائل اس پر صرف کیے جائیں' اور جدید ترین تکنیک' ذرائع اس کے لیے استعمال کیے جائیں۔

### مسلم ممالک میں سروے کی ضرورت

ان جائزوں کو پیش کرنے کا تیسرا مقصد' جس کی طرف ابتدا میں اشارہ کیا گیا تھا' یہ ہے کہ خود مسلمان معاشروں میں ہر ہر ملک میں اس طرح کے جائزوں کی ضرورت کا احساس بیدار ہو' اور معلوم کیا جائے کہ شہروں میں' دیہاتوں میں' پڑھے لکھے اور بے پڑھے لکھوں میں' نوجوانوں اور بوڑھوں میں' مردوں میں' اور عورتوں میں اور امیروں میں اور غریبوں میں' اسلام کے بارے میں کیا رویے ہیں۔ یہ علم' مسلمانوں کو حقیقی دین کی طرف دعوت دینے اور انھیں باعمل مسلمان بنانے کی کوشش کرنے اور معاشرے کو اسلامی رنگ میں رنگنے کی کوشش کرنے والوں کو حکمتِ عملی کا تعین کرنے میں ضرور مدد دے گا۔

---

ہمارا بالکل نیا کیسٹ:
روزہ اور رمضان
سیّد سفیر حسن کا لب و لہجہ'
آج ہی حاصل کیجیے اور رمضان سے استفادہ میں اضافہ کیجیے
دیگر ۹۵ سے زائد کیسٹوں کے لیے:
سمع و بصر امبر ہوٹل، نرسری کراچی ۷۵۴۰۰ فون ۴۳۱۱۵۹

# رسائل و مسائل

## ترجمان، جماعت اور اسلامک فرنٹ

ترجمان القرآن، اسلام اور جماعتِ اسلامی کا ترجمان ہے۔ مگر آج کل اسلامک فرنٹ کی متنازعہ اور مشکوک حیثیت کو برحق ثابت کرنے کے لیے اس کے صفحات استعمال کیے جا رہے ہیں۔ جماعت کا دستور کسی طرح بھی اسلامک فرنٹ جیسی کسی نئی جماعت کی تشکیل اور اس میں شمولیت کی اجازت نہیں دیتا۔ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ ترجمان القرآن میں جماعت کے حلقوں میں پائی جانے والی دونوں آرا کو پیش کیا جائے۔

ہم ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی فکر و اجتہاد پر قلبی اطمینان اور جماعت کے طریقِ کار سے سو فیصد متفق ہو کر جماعت میں آئے تھے۔ مگر اب مولانا کو رہنمائی کے منصب سے ہٹا دیا گیا ہے۔ اصول و ضوابط اور طور طریقے غیر محسوس انداز سے تبدیل ہو رہے ہیں۔

۱۔ آپ کی بات صحیح ہے کہ ترجمان القرآن جماعتِ اسلامی کا ترجمان ہے۔ اس لیے، اس میں جماعت کی پالیسی ہی پیش کی جانا چاہیے، اور کی جاتی رہی ہے۔ جماعت میں ایک سے زیادہ آرا پائی جا سکتی ہیں، اور ہمیشہ رہی ہیں۔ لیکن، ماچھی گوٹھ کا مرحلہ ہو یا جنرل ضیا کے ریفرنڈم کا، کہیں بھی ترجمان دو آرا کا ترجمان نہیں بنا۔ جب جماعت کی مجلسِ شوریٰ ایک فیصلہ کر دے تو جماعت کی رائے تو ایک ہی ہوتی ہے اور جماعت میں دو فریق نہیں ہوتے۔ ہاں سوالات کے جوابات کے ذریعہ، شکوک و شبہات کے ازالہ کا کام پہلے بھی کیا جاتا رہا ہے، اب بھی اس مقصد کے لیے اس کے صفحات حاضر ہیں۔ لیکن مجلسِ شوریٰ کی طے شدہ پالیسیوں کے خلاف، دستور کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پریس اور پبلک پلیٹ فارم پر اظہار رائے کرنے والوں کا اکھاڑا ترجمان نہیں بن سکتا، نہ کبھی بنا ہے۔ اگر میں ایسا کروں تو خود ہی اپنے عہد کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوں گا۔

۲۔ اسلامی فرنٹ کے قیام کا فیصلہ جب شوریٰ نے اتفاق رائے سے کر دیا، تو یہ خود

بخود طے ہو گیا کہ یہ دستور کے مطابق ہے۔ اس لیے کہ مرکزی مجلسِ شوریٰ کو دستور کی تعبیر کا آخری اختیار ہے۔ ہاں، کوئی یہ رائے رکھ سکتا ہے کہ شوریٰ نے غلطی کی ہے۔ اس کو اپنی رائے رکھنے کا بھی حق ہے، اور شوریٰ کے فیصلہ کو بدلوانے کے لیے دستور میں طے کردہ طریقوں کے مطابق کوشش کرنے کا بھی۔

۳- ۱۹۵۶ میں بھی بعض لوگ یہی کہہ رہے تھے کہ ہم ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی فکر و اجتہاد پر قلبی اطمینان اور ان کے پیش کردہ طریقِ کار پر مطمئن ہو کر جماعت میں آئے تھے، اب خود "ابوالاعلیٰ مودودیؒ" نے مودودی کی جماعت کو مودودی کی فکر اور طریقِ کار سے ہٹا دیا ہے۔ جس پر مولانا کو شکایت کرنا پڑی کہ اب "لوگ خود مجھے ہی میرا لٹریچر پڑھا رہے ہیں"۔ آپ کو یقین نہ آئے تو اس زمانہ میں مولانا مودودیؒ سے اختلاف کرنے والوں کی تحریریں اور آج کی تحریریں، کالموں اور خطوط کو پہلو بہ پہلو رکھ کر پڑھ لیں۔ فرصت ہو تو "آئندہ لائحہ عمل" یا کم سے کم ترجمان جنوری ۹۳ میں "افکارِ مودودیؒ" ہی کا مطالعہ کر لیں۔ (خ - م)

## صدقہ کے بارے میں چند اشکالات

جنوری کے شمارہ میں حدیث کے تشریحی نوٹ پر چند اشکالات ہیں۔

۱- آپ کے اس جملے سے کہ "اپنی دانست میں غلط جگہ پر صدقہ چلا جائے تو دیتے رہنا" یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ جانتے بوجھتے غلط آدمی کو صدقہ دینا جائز ہے، جبکہ حدیث کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صحابی تو بغیر جانے رات کو صدقہ دیتے ہیں اور صبح کو معلوم ہوتا ہے کہ آدمی غیر مستحق ہے۔

۲- آپ کہتے ہیں کہ "تحقیق پر تلے رہنا" نہ اللہ کو محبوب ہے اور نہ قبولیت کے لیے شرط۔ حالانکہ اللہؑ اور اس کے رسولؐ نے صدقات کے مصارف کی مدات واضح کی ہیں۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ بغیر تحقیق کے صدقات خرچ کیے جائیں۔

۳- آپ نے حدیث سے یہ اخذ کیا ہے کہ صدقہ کسی غلط آدمی کو چلا جائے تو کفِ افسوس نہیں ملنا چاہیے۔ غلط آدمی کو چلا جائے اور غلط آدمی کو دیا جائے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اپنی دانست میں غلط جگہ پر دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔

۴- جس دینی کام کا رخ آپ کے نظریات، خواہشات اور عقیدے کی طرف نہیں ہے، اس پر پیسے خرچ کرنا تو ضائع کرنا ہی ہے۔

آپ تشریحی نوٹ نہ ہی لکھیں تو بہتر ہے۔ البتہ یہ سلسلہ ہے بڑا موثر' اسے جاری رکھیے گا۔

آپ حدیث کے متن اور اپنے سوال پر ہی غور کریں تو آپ کو اپنے اشکالات کا جواب مل سکتا ہے۔

۱۔ صدقہ دینے والا رات کے اندھیرے میں نکلا' اور جو اسے مستحق لگا اس کے ہاتھ پر رکھ کے چلا آیا۔ اس نے کوئی تحقیق نہیں کی۔ اسی لیے غلط جگہ کو چلا گیا۔ جب اسے معلوم ہوا تو اس کو افسوس ہوا۔ اسی لیے اس نے دو دفعہ پھر صدقہ دیا' لیکن دونوں دفعہ پھر غلط جگہ چلا گیا۔ ظاہر ہے کہ وہ تحقیق کرتا تو ایسا نہ ہوتا۔ آپ خود بھی لکھتے ہیں کہ "بغیر جانے رات کو" دے آیا۔ اس پر اشارۂ ربانی ہوا کہ افسوس کی کوئی بات نہیں' غلط آدمی کو چلا گیا تو بھی اجر ملے گا۔ اور جو تمہاری دانست میں غلط مصرف ہے اس میں سے بھی خیر برآمد ہو سکتا ہے۔ آپ نے میری بات سے یہ نتیجہ کیسے نکال لیا کہ جانتے بوجھتے غلط آدمی کو صدقہ دینا جائز ہے۔

۲۔ "تحقیق پر تلے رہنا" اور "تحقیق کرنے" کے فرق کو آپ خود ہی تسلیم کرتے ہیں۔ پھر مصارف تو صرف زکوٰۃ کے متعین کیے گئے ہیں' نہ کہ سارے صدقات و خیرات کے۔ حق دار کی تلاش بھی ہونا چاہیے' مگر جس کا حق ثابت ہو جائے وہ تو محروم ہے' جب کہ مال میں سائل کا بھی حق ہے۔ آپ اسوۂ نبویؐ پر نگاہ ڈالیں۔ جو آتا اور مانگتا' آپؐ اس کو عطا کرتے' دونوں ہاتھ سے بھر بھر کے عطا کرتے' جو کچھ ہوتا وہ دے دیتے' اور دامن جھاڑ کر کھڑے ہو جاتے۔ یہی معیارِ مطلوب ہے' نہ یہ کہ ۱۰۰ روپے کے فروٹ خرید لیں' سائل کے ہاتھ پر ایک روپیہ نہ رکھیں کہ یہ بھیک منگا ہے' غیر مستحق ہے۔

۳۔ میں نے "چلا جائے" ہی لکھا ہے۔ دینے اور چلا جائے میں زمین و آسمان کے فرق کا آپ کو بھی اعتراف ہے۔ پھر اشکال کیوں؟

۴۔ دینی کام کے لیے جس پر اعتماد ہے' فرد ہو یا جماعت' وہ بھی ایسی جگہ خرچ کر سکتا ہے جہاں دینے والے کو اختلاف ہو۔ اس لیے کہ وہ غلط تدبیر ہے' یا اس لیے کہ کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ بات اعتماد کی نہیں' بات مصرف کا اپنی رائے اور مرضی کے مطابق نہ ہونے کی ہے۔

کئی قارئین نے اس سلسلہ کو حاصلِ رسالہ قرار دیا ہے' اور ان تشریحی اشارات کو بے حد مفید۔ آپ کا مشورہ بھی پیشِ نظر رہے گا۔ (خ - م)

---

# Train YOUrself for LEADership

## ILM Offers Professional Diploma Training Programs

- Journalism/Media Management
- Small Business Management & Entrepreneurship
- Sales and Marketing
- Hotel Management
- Management Information Systems
- Banking and Finance
- Industrial Management
- AutoCAD and Graphics
- Export Management
- Textile Management

## Educational Programs

# BBA, MBA

**Institute of Leadership and Management**

23-Ahmad Block New Garden Town, Near New Campus Bridge, Lahore

Ph: 5835755/ 5865606 Fax: 5865802

# کتاب نما

**قادیانیت ہماری نظر میں:** از محمد متین خالد۔ ناشر: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت' حضوری باغ روڈ' ملتان۔ صفحات ۷۴۸۔ قیمت ۲۰۰ روپے۔

اس کتاب میں ۳۹ ممتاز افراد' اداروں' علما' ججوں' ادیبوں اور خطیبوں کی تحریریں اور مقالات درج ہیں۔ شعرا' ادیبوں' خطیبوں' ارباب اقتدار' وکلا' جماعتوں کے لیڈروں اور اداروں کے کارپردازوں کے افکاروارشادات شامل ہیں۔ سابق قادیانیوں (جو ازسرنو مسلمان ہوئے) کے تاثرات بھی جمع ہیں۔ حکومت پاکستان کے نشریات یا قوانین کے مضمرات اور اس کے بعض افسروں کے جذبات' حتیٰ کہ غیر مسلم شخصیات کا حصہ بھی شامل ہے۔ موجودہ علما و مشائخ اور علمائے سلف کے علاوہ خلفائے راشدینؓ امام ابوحنیفہؒ اور مشائخ بھی اس قادیانی باطل کے ابطال میں شریک ہیں۔ مرتب نے فتاویٰ بھی جمع کیے ہیں اور طلبہ اور مزدور رہنماؤں کے خیالات کو بھی نہیں چھوڑا ہے۔ میں چند سطریں مولف کے ہاں سے یہاں نقل کرتا ہوں:

سرکردہ افراد کے فکرانگیز' مبنی برحقائق' ایمان افروز اور ولولہ انگیز مشاہدات و تاثرات اور حیرت انگیز و ہوش ربا انکشافات پر مبنی مستند تاریخی و تحقیقی دستاویز —— جو پوری ملت اسلامیہ کی آواز ہے۔

فی الواقع میں نے جتنی کتابیں دیکھی ہیں ان کے مقابلے میں مواد' ترتیب' اور حسنِ طباعت کے لحاظ سے یہ کتاب مجھے بہت پسند آئی ہے۔

قادیانیت کو مولانا مودودیؒ نے "سرطان کا پھوڑا" قرار دیا اور نظربندی اور "قلعہ" کے مراحل سے گزر کر فوجی عدالت کے فیصلے سے پھانسی کی کوٹھڑی میں پہنچے۔ چنانچہ یہ سرطانی پھوڑا اپنی بنیادیں قادیان میں چھوڑتا نشوونما پاکر نہ صرف پاکستان و کشمیر میں بلکہ اسرائیل اور برطانیہ و افریقہ میں ریشہ دوانیاں کر رہا ہے اور دنیا کی دشمن قوتوں کو پاکستان کے راز بھی پہنچاتا ہے اور مخالفانہ جذبات بھی منتقل کرتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے جہاں کوئی مفاد کی راہ نکلنے والی ہو' وہاں

یہودیوں سے مل کر پاکستان کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ ادھر ہمارے نظام ملکی میں عہدوں پر بیٹھا ہے۔ اسی جنس میں سے ایک جوڑا تھا جس نے شمسی توانائی حاصل کرنے کے لیے کام شروع کیا۔ ان کو جگہ دی گئی' بہت بڑی مقدار روپے کی صرف ہوئی' کیونکہ انھوں نے مشینری منگوانے پر خاص طور پر زور دیا تھا۔ کچھ مدت بعد جب کہ کروڑوں (یا اربوں) روپے صرف بلکہ اڑنچھو ہو چکے تھے' صدر ضیا نے اچانک معائنہ کے لیے آنے کی اطلاع دی۔ اطلاع ملنے کے بعد جلد سے جلد وہ عورت روپیہ وغیرہ ساتھ لے کر بیرون ملک چلی گئی۔ شوہر صاحب بھی "جدھر گئیاں بیڑیاں' ادھر گئے ملاح" غائب ہو گئے۔

اب یہ اشرار کشمیری مسلمانوں کی تباہی میں ہندوؤں کا ہاتھ بٹانے کے لیے اسرائیل کے ساتھ ساتھ ادھر کا رخ کر رہے ہیں۔

ایک بیرونی ٹیلی وژن نظام کے چینل بروقت خرید کر اسے ایسی لہروں کے ذریعے استعمال کیا جا رہا ہے جو صرف ڈش انٹینا رکھنے والوں کے لیے کام کرتی ہیں۔ چنانچہ ڈش انٹینا کا کاروبار بھی کیا جا رہا ہے۔ ان کی بعض جگہ مفت فراہمی بھی کی جا رہی ہے' اور اس ذریعے سے پاکستان کے مسلمانوں پر قادیانی پروگراموں کا زہر انڈیلا جا رہا ہے۔ جس ڈش انٹینا پر یہ پروگرام آنے لگتا ہے تو دوسرے تمام پروگرام نظر نہیں آ سکتے۔ یہ اس کے ذریعے اپنے سربراہ کو اور اپنی شخصیتوں کو اور اپنے نثر مضامین اور دیگر نشریات کو لا کر دیہاتی عوام اور عورتوں اور نوجوانوں اور بچوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہاں کے ہر انتخاب کی طرح یقیناً انھوں نے پچھلے انتخابات میں بھی مسلمانوں کو مضر پڑنے والی صورت کے لیے ووٹ دیا ہوگا۔ نہایت ضروری ہے کہ ایمان کے ایسے گرہ کٹوں کے امتیاز کے لیے مذہبی خانہ بھی شناختی کارڈوں اور ووٹرز لسٹوں میں رکھا جائے۔ ان کو کسی طور پر افسری کا راستہ حکومتی مشینری میں نہ دیا جائے۔ مصیبت یہ ہے کہ اس گروہ مرزائیت کی سرپرستی اور اس کا تحفظ یہاں کا سیکولر طبقہ کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دستوری اور قانونی فیصلوں کے بعد جو عملی اقدامات اور احتیاطیں ہونا چاہئیں تھیں' پوری طرح نہیں ہو رہیں۔

اب جب سے آٹھویں ترمیم کی جزوی یا کلی منسوخی کا ذکر چلا ہے' سیاسی حکمران اور اپوزیشن لیڈر اس طرف توجہ نہیں کر رہے کہ لادین طبقہ' سوشلسٹ' امریکہ پرست' دولت کی گاڑی کے قلی' جنسی غلاظتوں میں غوطے لگانے والے گروہ' اور ان کے ساتھ شامل ہو کر قادیانی بھی پوری آٹھویں ترمیم کے خاتمے کا آوازہ اٹھا رہے ہیں۔

کیا اب سیکولر حضرات یہ چاہتے ہیں کہ امریکہ اور برطانیہ اور اسرائیل کے یہ چہیتے جاسوس ایک بار پھر پاکستان اور کشمیر میں فتنہ و سازش اور ظلم و تعدی کے ذریعے مسلمانوں کو اذیتیں دیں اور پچھلے انتقام لیں اور خطہ کی سیاست کو پاکستان کے لیے ایسا ٹیڑھا کر دیں کہ اس پورے خطے پر نیوامپیریلزم (قرض+ اسلحہ+ ثقافت کی بخشش کی بنیادوں پر) اپنا آہنی جال پھیلا دے اور یہ مسلمان جنھوں نے مرزا صاحب کو نہیں مانا' یہ اور ان کی اولادیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مریں۔ کیا حکومت ویسے ہی جھمیلے اور تصادم پیدا کرنا چاہتی ہے؟

اس فتنہ قادیانیت کی ایک مختصر کہانی جناب محمد متین خالد نے بہت اچھی شکل میں تیار کی ہے اور اس طرح نئی نسلوں کو قادیانی سرطان کے پھوڑے کے زہریلے پن سے آگاہ کیا ہے۔

(نعیم صدیقی)

---

**نظامِ تعلیم' نظریہ' روایت' مسائل:** از پروفیسر خورشید احمد۔ مرتب: سلیم منصور خالد۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز' مرکز ایف' سیون اسلام آباد۔ صفحات ۳۴۶۔ قیمت ۱۸۰ روپے۔

نظر سب سے پہلے دیدہ زیب گردوپوش پر جم کر رہ جاتی ہے' مسئلہ بھی اسی قدر اہم ہے۔ تعلیم' پاکستان بلکہ امت مسلمہ کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ اس موضوع پر' پُر مغز تحریرات کا یہ مجموعہ' مسئلے کے جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کرتا ہے۔ آج تمام مسلم ممالک بظاہر آزاد ہیں مگر آزادی کی حقیقی منزل سے ابھی کوسوں دور ہیں' اور معاشی اور تہذیبی استعمار کا شکار ہیں۔ سبب تلاش کیا جائے تو تعلیم ہی میں ملے گا۔ اگر ہماری قیادت' حصول آزادی کے بعد نظام تعلیم کی تشکیل نو اسلامی بنیادوں پر کرتی' تو ۳۰'۳۵ سال میں قوم حقیقی آزادی سے ہم کنار ہو چکی ہوتی لیکن ----

اختصاص کے اس دور میں' "مقام بنانے کے لیے" مشورہ یہ دیا جاتا ہے کہ صلاحیت کو کسی ایک شعبے پر مرتکز کرلینا چاہیے۔ پروفیسر خورشید احمد کو بھی یہ مشورہ ضرور ملا ہو گا۔ اگر وہ ایسا کرتے تو محض ایک ماہرِ معاشیات ہوتے' اور ہم اس کتاب سے محروم رہ جاتے۔ یہ غالباً مرتب کے ذوق کا مسئلہ بھی ہے کہ انھوں نے معاشیات یا سیاسیات سے پہلے تعلیم پر مجموعہ مضامین شائع کیا ہے (یقیناً معاشیات اور سیاسیات پر مجموعے اس سے زیادہ ہی ضخیم ہوں گے)

جیسا کہ عنوان ہی سے ظاہر ہے' کتاب کو نظریہ' روایت اور مسائل تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں ۴' دوسرے میں ایک اور تیسرے میں ۴۲ تحریرات ہیں۔ نظریہ اور روایت کے ابواب بھی قیمتی ہیں' اور پس منظر کے مطالعہ کے لیے ضروری بھی' لیکن مصنف کی فکر و ذہانت کا ماحصل تیسرے حصے میں سامنے آتا ہے۔ یہ تحریریں گذشتہ ۴۲ سال کے دوران میں لکھی گئی ہیں۔ یوں ان کی مدد سے ملک کی تعلیمی تاریخ کا مطالعہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ مصنف طالب علمی کے دور میں طلبہ کی اسلامی تحریک کے قائد کی حیثیت سے' اور بعد میں جامعہ کراچی کے ایک استاد کی حیثیت سے تعلیمی مسائل سے براہِ راست متعلق رہے ہیں۔ گذشتہ برسوں میں انھیں سینٹ میں بھی تعلیمی مسائل پر اظہار خیال کا موقع ملتا رہا۔ مرتب کے الفاظ میں یہ تحریرات مصنف کی: "علمی' تعلیمی بصیرت کی آئینہ دار ہی نہیں بلکہ اس تاریخی فہم و ادراک کی بازگشت بھی ہیں جو حق گو اہلِ قلم کا امتیازی شعار رہا ہے —— طولِ زمانی کے باوجود ان سب میں عقیدے کی پختگی' راستِ فکری' وسعتِ مطالعہ اور تجزیے کی گہرائی یکساں طور پر موجود ہے۔ انھوں نے بہت سے مقامات پر قائدانہ بصیرت کے ساتھ دو ٹوک اور نتیجہ خیز موقف اختیار کیا ہے۔ اس لیے تعلیمی و تہذیبی انقلاب کی یہ منفرد آواز اہلِ دانش کے لیے غور و فکر کی دعوت اور اہلِ حل و عقد کے لیے فیصلہ و عمل کا پیغام ہے۔"

مسائل پر گفتگو میں مسئلے کا واضح ادراک' نظریے کا مکمل شعور اور قابلِ عمل تجاویز و اقدامات ملتے ہیں۔ بعض جامع تجاویز اور تبصرے ہیں جن میں بیشتر مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے اور بعض اہم مسائل پر الگ بحثیں ہیں' مثلاً: ذریعہ تعلیم کا مسئلہ' طبقاتی تعلیم کا مسئلہ' پرائمری تعلیم' یونی ورسٹی تعلیم' نجی تعلیم' دینی مدارس کی تعلیم' اسلامیات کا نصاب وغیرہ —— ان بحثوں میں وہ نکات ہیں جن سے ہمارے پالیسی ساز اور ماہرینِ تعلیم ہی کو نہیں' بلکہ بی ایڈ اور ایم ایڈ کرنے والے طلبہ اور تدریس میں مصروف اساتذہ کو بھی ضرور واقف ہونا چاہیے۔ ضروری تو یہ ہے کہ سیاسی قائدین بھی مطالعے کی عادت اپنائیں اور یہ کتاب بھی پڑھیں۔

نظامِ تعلیم میں مطلوبہ تبدیلی کیوں نہیں ہو سکی؟ یہ کتاب اس کا جواب مہیا کرتی ہے۔ پاکستان کے خصوصی حوالے سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ملک کی باگ ڈور جن قوتوں کے ہاتھ میں رہی ہے' انھوں نے یہ گوارا ہی نہیں کیا کہ تعلیم کو اس کا صحیح مقام ملے اور تعلیم کا قبلہ راست کرنے کی فکر کی جائے۔ ایک کشمکش ہے جو جاری ہے اور اب تو بیرونی

طاقتیں اپنے مفادات کے تحت تعلیم کی تشکیل میں خود سامنے آکر نمایاں کردار ادا کر رہی ہیں۔ پروفیسر خورشید احمد اپنے دیباچے میں بجا طور پر ماتم کناں ہیں: "یہ کیسی تاریکی ہے کہ آج کی سیاسی اور دینی قیادت کی فکر اور اس کی عملی جدوجہد میں تعلیم کی اصلاح کا مرکزی مقام تو ایک طرف رہا' قانونی درجے کا مقام بھی نظر نہیں آتا"۔

شاید یہ کتاب اسے مرکزی مقام دلانے کا کچھ احساس پیدا کر سکے۔

(احمد انس)

---

**عظمت رفتہ:** از: ڈاکٹر عبدالحلیم عویس۔ مترجم: ڈاکٹر مقتدیٰ حسن یاسین۔ ناشر: ادارۃ البحوث الاسلامیہ' جامعہ سلفیہ' بنارس۔ صفحات ۱۶۰۔ قیمت درج نہیں۔

اسباب زوال امت' مسلم اور غیر مسلم مورخین و مفکرین کا ایک مرغوب موضوع رہا ہے۔ مصنف نے اسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے "مسلم حکومتوں کے زوال کا عبرت آموز جائزہ" پیش کیا ہے۔ انھیں مغربی ماہرین تاریخ کے اس فلسفے سے اتفاق نہیں کہ تاریخ ہمیشہ عمودی شکل میں اپنا راستہ طے کرتی ہے۔ اس اعتبار سے اسلام کی عظمت رفتہ کی بحالی کا امکان نہیں (لیکن اسلام سے خوف' اسلامی تحریکوں کا راستہ روکنے کی مجنونانہ کوششیں اور "بنیاد پرستی" کی آڑ میں مسلمانوں کے خلاف مہم چہ معنی دارد؟ گویا خود مغرب اپنے فلسفیوں کی اس تھیوری پر یقین نہیں رکھتا؟) --- لیکن ڈاکٹر عویس "جو تھا نہیں ہے' جو ہے نہ ہوگا" کے برعکس اسلام اور اہل اسلام کے بارے میں "ادھر ڈوبے ادھر نکلے' ادھر ڈوبے ادھر نکلے" کے قائل ہیں۔ ان کے خیال میں اسلام کے باب میں تاریخ کی حرکت screw ـ shaped ہے' جس میں منظم طور پر ہبوط و صعود کے مرحلے آتے ہیں۔ ہبوط اس وقت ہوتا ہے' جب اندرونی طور پر اختلاف و فساد پیدا ہو جائے' اور صعود اس وقت ہوتا ہے' جب خارجی چیلنجوں کو قبول کرلیا جائے --- وہ مزید کہتے ہیں کہ امت کے تاریخی تجربے میں ہبوط کے مرحلے اندرونی حالات سے مربوط رہے ہیں۔ اس امت پر باہر سے جتنی زد پڑی' اس سے زیادہ اندر سے پڑی' بلکہ خارجی دشمنوں کو نقصان پہنچانے کا موقع ہی اس وقت ملا' جب اندر لگے ہوئے گھن کے ذریعے ان کو راہ ملی۔

اپنے موقف کی تائید میں مصنف نے چودہ سو سال کی مسلم حکمرانی کی تاریخ سے استدلال کیا ہے' اور یہ استدلال خاصا قوی ہے --- انھوں نے تاریخ کے بعض ایسے واقعات و حوادث کی طرف متوجہ کیا ہے' جن کی طرف عام مورخین کی نظر نہیں جاتی' یا وہ انھیں قابل ذکر نہیں سمجھتے

---- مصری عالم اور دانش ور ڈاکٹر عبدالحلیم عویس نے' جو امام محمد بن سعود یونیورسٹی میں اسلامی تاریخ و تمدن کے استاد ہیں' مسلم عروج و زوال کی عبرت ناک و سبق آموز تاریخ پر بانداز دگر نظر ڈالی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کتاب میں ہماری تہذیب کے ان پتوں کا ذکر ہے جو مرجھا چکے ہیں' اور ان مسلم حکومتوں کے زوال کی داستان ہے' جو بھیانک امراض میں مبتلا ہو کر فنا ہو گئیں ---- یہ "بھیانک امراض" کیا تھے ؟

اول : "غنیمت" کا مرض' جو ہماری اولین شکست کا سبب بنا۔ پہلے معرکے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کے باوجود' تیر اندازوں نے آپؐ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور اندیشہ کیا کہ "غنیمت" کا مال ہاتھ سے نکل جائے گا ---- یہ سلسلہ فرانس پر عبدالرحمٰن غافقی کی فوج کشی تک چلتا ہے۔ غافقی ایمان کی قوی روح سے سرشار تھا۔ وہ سپین کی سرحدوں کو عبور کر کے فرانس کے اندر پیش قدمی کر رہا تھا کہ ۱۱۴ھ میں "بلاط الشہداء" کے معرکے میں شہید ہو گیا اور عربوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔ اس کا سبب بھی وہی غنیمت تھا۔ مسلمانوں کی پشت فتوحات سپین کے غنائم سے بوجھل تھی (عربوں کی یہ عادت تھی کہ وہ مال غنیمت ساتھ لے کر چلتے اور فوج کے پیچھے ایک ٹولی اس کا تحفظ کرتی)' نصرانیوں نے اس کمزوری کو بھانپ کر اسی حصے پر حملہ کیا۔ عرب اس چال کو نہیں سمجھ سکے۔ ان کی بعض ٹولیاں' مال غنیمت کے تحفظ کے لیے عقبی حصے کی طرف پلٹیں۔ لڑنے والی فوج کے نظام میں ابتری پیدا ہوئی۔ ایسے میں فوج کو منظم کرنے کی غافقی کی کوششیں بے سود ثابت ہوئیں ---- یہ معرکہ' یورپ کے اندر مسلم پیش قدمی کی مراجعت کا نقطہ آغاز ثابت ہوا' کیونکہ بقول مصنف : "مادے کی چمک دمک ایمان کی شعاعوں پر غالب آ چکی تھی۔"

ڈاکٹر عویس نے تاریخ کی ایسی ہی تفصیلات کی روشنی میں' چار عنوانات کے تحت' اپنا موقف واضح کیا ہے۔ یورپ میں ہمارے زوال کی داستان' مشرقی حکومتوں کا زوال' مغربی حکومتوں کا زوال' عصر جدید میں ہمارا زوال ---- اس ضمن میں انھوں نے اندلس کے امویوں' مصر کے طولونیوں' فارس کے سامانیوں' طبرستان کے علاحدگی پسندوں' الجزائر کے خوارج اور بنو حماد' مغرب کے مرابطہ' تیونس کے اغالبہ' عثمانی ترکوں' سلجوقیوں' فاطمیوں اور سسلی سے مسلمانوں کے اخراج کے حوالوں سے مسلم زوال و ہزیمت کے حسب ذیل نمایاں اسباب تلاش کیے ہیں:

۱ - نظام خلافت کی موروثی بادشاہت میں تبدیلی' جس کے نتیجے میں امویوں میں نسلی برتری کا احساس' جس نے ایک خطرناک اور مہلک تہذیبی مرض کی حیثیت اختیار کر لی اور امت کے جسم

اور روح کے مابین انفصال پیدا ہو گیا۔ اس سے بگاڑ اور ظلم و فساد کی ہزار خرابیاں نمودار ہوئیں۔

۲ - نسلی بنیادوں پر قومیت کا نعرہ' جس نے اندلس سے مسلم پسپائی سے لے کر' دور جدید میں عرب ترک آویزش کے نتیجے میں دونوں کے زوال تک میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ بقول مصنف: "عرب قومیت نے عربوں کو انتہائی نچلی سطح پر پہنچا دیا ہے۔ تعجب انگیز امر یہ ہے کہ لبنان اور فلسطین کے واقعات سے انھیں کوئی سبق نہیں ملا"۔

۳ - معاملات و مسائل کی باگ ڈور عورتوں اور دربانوں کے سپرد کر دینا' مسلم تاریخ کا ایک عبرت ناک منظر ہے۔ یہ سلسلہ بعض اندلسی اموی حکمرانوں سے شروع ہوا اور پھر کتنی ہی حکومتیں عورتوں کے ہاتھوں برباد ہوئیں۔

۴ - جاگیرداری نظام کا اجرا اور فروغ۔

۵ - فقہا کا غیر معتدل تکفیری رویہ' جس کا ایک شکار امام غزالی بھی ہوئے۔ "احیاء العلوم" جلائی گئی اور اس کا رکھنا جرم قرار پایا۔ ان فقہا کے نزدیک کتاب و سنت کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ گئی۔ یہ لوگ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضے سے غافل تھے۔

ضمنی وجوہ میں سلاطین کی عیش پرستی' حکومتی شعبوں کا بگاڑ' رشوت کی گرم بازاری' اعتقادی و فکری گمراہی اور صلیبی و صیہونی طاقتوں کی ریشہ دوانیاں شامل ہیں' مگر یہ سب' مذکورہ بالا اصل وجوہ ہی کا شاخسانہ تھیں ---- ڈاکٹر عویس نے دور حاضر میں مسلم زوال کے ضمن میں ایک پتے کی بات کہی ہے کہ: "امت' حقیقی صالحین کو نظرانداز کر کے اپنی بیماریوں کا علاج دشمنوں کے یہاں تلاش کرتی ہے۔"

مصنف نے اسباب و وجوہ سے آگے بڑھ کر بعض ان قیمتی نکات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جن کی طرف توجہ دینا' امت خصوصاً حکمرانوں کی حقیقت پسندی کا تقاضا ہے ---- ان میں سب سے اول اور اہم روح جہاد ہے' جو امت کے فکری و معنوی اور مادی وجود کو برقرار و متحد رکھنے کے لیے ناگزیر ہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ "لوگوں کے دلوں میں اسلام کی جڑیں گہری کی جائیں" اور اس کے لیے بہترین طریقہ جہاد ہے۔ صلاح الدین ایوبی کو اپنے زمانے میں بہت سے مسائل کا سامنا تھا' مگر اس نے ان میں الجھنے اور امت کو الجھانے کے بجائے صلیبی خطرے کا حقیقی ادراک کیا اور تدبیر جہاد کو' نازک صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے' ایک کامیاب گر کے طور پر اختیار کیا ---- دفاع وہی کر سکتا ہے جو حملے کی قوت رکھتا ہو اور جہاد کے سوا' حملے کی قوت حاصل کرنے کا کوئی اور بہتر ذریعہ نہیں ہے ---- دوسری چیز امت کے اندر زندگی کی قوت بیدار

کرنا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بیرونی امداد اور سہاروں سے کبھی خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچ سکا' اور "اندرونی قوت" کتاب و سنت کے احترام اور شریعت کی پابندی سے پیدا ہوتی ہے۔ (اور اسی کے نتیجے میں انفرادی و اجتماعی زندگی صحیح رخ اختیار کرتی ہے) ---- جہاں اللہ تعالیٰ کے قوانین کی خلاف ورزی ہوتی ہے' وہاں فسق و فجور فروغ پاتا ہے۔ (قرآن حکیم کے مطابق اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا' بلکہ لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں)۔ اور نافرمانوں کو اللہ کی طرف سے مہلت ملتی ہے' اس سے ان کے اندر اور زیادہ جرات پیدا ہوتی ہے۔ پھر زوال کے جملہ اسباب جمع ہو جاتے ہیں ---- یہ وہ تیسرا اہم نکتہ ہے جو امت کے پیشِ نظر رہنا چاہیے۔

مسلم حکومتوں کے زوال و عبرت کا مرقع پیش کرتے ہوئے مصنف مایوسی کا شکار نہیں ہوئے۔ وہ غیر معمولی جرات سے تاریخ کی از سرِ نو تشریح کے قائل ہیں کہ ہماری تاریخ' ایک روشن مستقبل کا راستہ دکھاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں: "یہ امت ضرور باقی رہے گی' اور ضرور اپنا کردار ادا کرے گی' اور ضرور اپنی غفلت دور کرے گی۔ تاریخ کے چودہ سو سالہ مزاج سے ہمیں اسی کا یقین ہوتا ہے۔"

اسلام کی بالادستی کے لیے مصنف کی قلبی لگن ان کے اندازِ تحریر سے واضح ہے' جو قاری کو متاثر کرتا اور دعوتِ غور و فکر دیتا ہے ---- یہ ان مفید کتابوں میں سے ہے جن کی اشاعت امت کے بہی خواہوں' اور اس کے مستقبل کے بارے میں فکر و تدبیر کرنے والوں کے ہاں خیرمقدم کے لائق ہوتی ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی)

---

**بنیاد پرستی اور تحریک اسلامی:** از ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی۔ ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔ صفحات ۶۴۔ قیمت ۶ روپے۔

حالیہ برسوں میں "بنیاد پرستی" کی اصطلاح' مشرق و مغرب میں بحث مباحثے کا موضوع رہی ہے۔ اہلِ مغرب نے بڑی چالاکی سے اس اصطلاح کے ذریعے' مسلمانوں خصوصاً احیائے امت اور اسلامی نشاۃِ ثانیہ کے لیے کام کرنے والی تحریکوں کو مطعون کرنے کی کوشش کی ہے ---- بذاتِ خود اس اصطلاح میں بڑا ابہام ہے ---- اہلِ اسلام کے بعض حلقوں نے اس اصطلاح کو دلائل کے ساتھ رد کر دیا ہے' مگر بعض افراد کے نزدیک ایک خاص مفہوم میں اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی بھارتی مسلمانوں کے معروف رہنما ہیں اور وہاں کے

مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے ہیں۔ زیرِ نظر تالیف میں ان کا موقف یہ ہے کہ ایک مسلمان اس اعتبار سے تو بنیاد پرست ہے کہ وہ بعض ایسے عقائد و نظریات پر ایمان رکھتا ہے جو وحیِ الٰہی کے ابدی اصولوں اور دائمی قدروں پر مبنی ہیں' اور اس کے لیے ان اصولوں اور عقائد سے انحراف کسی طرح بھی ممکن نہیں' مگر اسلام کسی ایسی "بنیاد پرستی" سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا جو جہالت' کٹرپن' جبر' تنگ نظری' مجنونانہ وابستگی اور عورتوں کی تذلیل پر قائم ہو۔ مسلمانوں پر ایسی بنیاد پرستی کا الزام ایک صریح خیانت ہے' جس کے ڈانڈے مستشرقین کی علمی بددیانتیوں اور صلیبی جنگوں سے ملتے ہیں۔ ڈاکٹر فریدی کی یہ بات بالکل درست ہے کہ اگر مسلمانوں یا مسلم حکومت سے کچھ غلطیاں صادر ہوتی ہیں تو انھیں "اسلامی بنیاد پرستی" کے کھاتے میں ڈال کر اسلامی تحریکوں کو ملعون کرنا اہل مغرب کی بدنیتی ہے ــــــ اسلام تو عدل و انصاف' احترامِ آدمیت' معقولیت اور حریتِ فکر و عمل کا مسلک ہے۔

مصنف نے آخر میں زور دیا ہے کہ افرادِ امت کو خود اپنا' اپنے علما' اپنے قائدین اور اپنے حکمرانوں کا ایماندارانہ احتساب کرنا چاہیے کیونکہ انھوں نے اسلام کی حقیقی تصویر پیش کرنے میں کوتاہی کی ہے اور اس کا ازالہ کیے بغیر الزام تراشی کی مذکورہ یلغار کا موثر تدارک ممکن نہیں ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی)

---

**برصغیر میں اسلامی سلطنت کے قیام سے تشکیل کانگرس تک علما کا سیاسی کردار:**
ڈاکٹر ایچ بی خان - ناشر: الحمد اکادمی۔ ۵ / ۱۴ - سی' لیاقت آباد' کراچی - صفحات ۲۰۸ - قیمت ۷۵ روپے۔

مصنف کے نزدیک "کتاب ہذا کے قلم بند کرنے کا مقصد یہ ہے کہ برصغیر میں اسلامی حکومت کے قیام سے لے کر اس کے زوال و انحطاط تک علما نے اپنے عمل و کردار سے جو نقوش ثبت کیے ہیں انھیں غیرجانبدارانہ تحقیق کی روشنی میں پیش کیا جائے۔" مصنف نے سب سے پہلے اسلام میں علما کے مرتبہ و مقام' ان کی حیثیت و اہمیت کا تعین کیا ہے' پھر مختلف ادوار میں معاصر سلاطین کے ساتھ علما کے روابط' سرکاری عہدوں کے حصول' حکومت سے وابستگی کا تذکرہ کیا ہے۔ عہدِ سلاطینِ دہلی (۹۹۸ - ۱۵۲۶) کے علما و مشائخ کی علمی' دینی اور

سیاسی سرگرمیوں کا احاطہ کرنے کے بعد عہدِ مغلیہ کے علما کے کردار کا جائزہ لیا ہے۔ اسلامی ہند میں علما کے مقام اور کردار کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ "قرونِ وسطیٰ سے لے کر دورِ حاضر تک ایسے علما کی مثالیں موجود ہیں جنھوں نے احکاماتِ شرع کی پیروی میں سخت سے سخت اذیتیں اور صعوبتیں برداشت کیں مگر کلمۂ حق کی ادائیگی سے سرِمُو تجاوز نہیں کیا" (ص ۳۲)۔ لیکن ایسے علما کا ذکر بھی کتاب میں ملتا ہے جنھوں نے اسلام کے ارکان کی بجاآوری سے سلطانِ وقت کو مستثنیٰ قرار دے دیا (ص ۴۲)۔

زیرِ تبصرہ کتاب میں علما کی صرف سیاسی خدمات ہی نہیں' ان کی تعلیمی' سماجی اور دینی خدمات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ جماعتِ مجاہدین کی سرگرمیوں اور ان کی ناکامی کے اسباب کا کھوج لگانے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب مختصر ہے تاہم بہت سے ضمنی مباحث کو بھی اختصار سے پیش کیا گیا ہے۔ چوتھے باب میں ۱۸۵۷ کے بعد پاک و ہند کے سیاسی حالات میں علما کے کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے سرسید اور ان کے رفقا' کی تعلیمی اور سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ علماءِ دیوبند کی دینی' سیاسی اور تعلیمی مساعی کو بھی زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ مصنف کی کاوش لائقِ ستائش ہے کہ بہت بڑے موضوع کو مختصر کتاب میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ (ظفر حجازی)

---

## وضاحت

۱- ترجمان القرآن میں ترجیحاً" دینی اور علمی کتابوں پر تبصرے شائع کیے جاتے ہیں۔
۲- تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں۔
۳- تبصرے کے لیے مطبوعات براہ راست: مدیر ترجمان القرآن منصورہ' لاہور ۵۴۵۷۰ کو بھیجی جائیں۔



## ترجمان القرآن

اگر آپ کے پاس جنوری اور فروری ۱۹۹۴ کے پرچے نہیں' اور آپ اپنی فائل مکمل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں فوراً مطلع کریں۔ یہ شمارے ختم ہو چکے ہیں' معقول تعداد میں آرڈر وصول ہونے پر دوبارہ چھپوائے جائیں گے۔

ادارہ ترجمان القرآن ۔ رحمٰن مارکیٹ اردو بازار لاہور

# مدیر کے نام

بیگم سیّد ابوالاعلیٰ مودودی' لاہور

تزئینِ نو کے بعد ترجمان القرآن میں کافی مثبت اور مفید تبدیلیاں آئی ہیں۔ مضامین میں تنوع اور موضوعات میں وسعت ہے۔ تازہ شمارے میں "گوشہ رمضان" اور "آج اور کل" پسند آئے۔ اسی طرح فہمِ قرآن اور فہمِ حدیث کا سلسلہ بھی بہت مفید ہے۔ یہ امر بھی باعثِ اطمینان ہے کہ رسالہ باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ رسالہ' آیندہ اس سے بھی بہتر ہو گا اور مولانا مودودی مرحوم نے جن بلند مقاصد کے لیے ترجمان القرآن کو پروان چڑھایا تھا' وہ آپ کے پیشِ نظر رہیں گے۔

جسٹس (ریٹائرڈ) ملک غلام علی' لاہور

ماہنامہ ترجمان القرآن نئے ادارۂ تحریر و تنظیم کے تحت اپنے قالبِ جدید میں رونما ہو رہا ہے۔ میری صمیمِ قلب سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس موقر جریدے کو حسبِ سابق قارئین کے لیے نفع بخش بنائے اور اسے جادۂ حق پر پیش قدمی عطا فرمائے' آمین والحمدللہ رب العالمین۔

جنرل (ریٹائرڈ) مرزا اسلم بیگ چیرمین فرینڈز' راولپنڈی

میں نے تمام مضامین کو بڑی دلچسپی سے پڑھا ہے۔ آپ نے اشارات میں بجا طور پر کہا ہے کہ عصرِ حاضر کی روح مضطرب اور بے تاب ہے۔ مغرب کی مسیحائی تو اب نام کی رہ گئی ہے۔ اصل المیہ یہ ہے کہ تہذیبِ حاضر کا بیمار' بیمار سے بیمار تر' ہوتا دکھائی دے رہا ہے ــــ میرا ایمان ہے کہ نجات کا واحد راستہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے میں مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ امتِ مسلمہ کے حال پر رحم فرمائے اور اسے شہادتِ حق کی توفیق بخشے۔

محمد بشیر چغتائی' واہ کینٹ

احادیث دو بھی کافی ہیں۔ لیکن موجودہ حالات میں ان سے کیا اور کیسے رہنمائی حاصل کی جائے' اس کی واضح اور مزید تشریح کی ضرورت ہے۔

سلیم منصور خالد' گوجرانوالہ

خوب صورت تزئین کے ساتھ پرکشش اور قابلِ مطالعہ "ترجمان القرآن" کی اشاعت' گلشنِ علم و دانش میں ایک وجد آفرین جھونکا ہے۔ دیگر علمی مضامین کے ساتھ ساتھ "صحبتِ نبویؐ میں چند لمحے" اس شمارے کا خوبصورت ترین سلسلہ ہے' جس میں قاری اپنے آپ کو نہ صرف مجلسِ نبوت میں شریک سمجھتا ہے' بلکہ جوں ہی وہ محفلِ رسالت سے باہر نکلتا ہے' وضاحت کے چند جملے محفل کے لطف و کرم کی حلاوت کو اور بڑھا دیتے ہیں۔ اس سلسلے کو کم از کم چھ صفحات پر پھیلا دیا جائے تاکہ مطالعۂ سیرتؐ کے شیدائیوں کی تشنگی کا کسی حد تک مداوا ہو سکے۔ اسی طرح مغرب کے دو فرزندوں کے جذبات کی پیش کش' مغربی ذہن کو جاننے کا موثر ذریعہ ہی ہے۔

محمد اکرام قریشی' سیالکوٹ

"رسائل و مسائل" غائب پا کر سخت دکھ ہوا۔

بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) محمد اسحاق ارشد' کراچی

"اسلام اور مغرب" کے عنوان کے تحت جو مضامین دیے گئے ہیں' مطالعہ کے لیے بہت ضروری ہیں تاکہ ہمارے ذہن مغرب کی سوچ کو جانتے اور سمجھتے ہوئے' نہ صرف مغرب کی یلغار کو روک سکیں بلکہ اس کو عقب روی پر مجبور کر دیں۔

لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) ' ڈاکٹر محمد ایوب خان' لاہور کینٹ

ایک بات یاد رکھیے' تقریروں' تحریروں اور کتابوں سے فضا ضرور پیدا ہوتی ہے' لیکن قوموں کا فیصلہ جنگ کے بغیر نہیں ہوتا۔ امت کو جہاد کی تربیت حاصل کرنا ہو گی۔

محمد عالم مختار حق، لاہور

اشارات، فہمِ حدیث، محاسبہ نفس اور الجزایر میں تحریکِ اسلامی کی کامیابی سے متعلق مضامین پسند آئے۔ آپ نے صحتِ الفاظ کی طرف بھی توجہ کی ہے، اس سے خوشی ہوئی۔ یہ علمی و ادبی مجلہ ہے، صحتِ الفاظ کے لحاظ سے بھی مثالی ہونا چاہیے۔

جلیل احمد، لاہور

ظاہری حسن، صفحات میں اضافہ، موضوعات کا تنوع، گہرائی اور سب سے بڑھ کر اسلوب کی دلکشی، لائقِ تحسین ہیں۔ اشارات کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک آدھ جگہ محسوس ہوا کہ جملے کچھ زیادہ ہی طویل ہو گئے ہیں۔

عاصم نعمانی، لاہور

دورِ جدید کا آغاز خوش آیند ہے۔ مضامین میں تنوع خوب قابلِ قدر ہے۔ مجدد الف ثانی کے مکتوبات سے اقتباسات بہت عمدہ انتخاب ہے۔

صدر الدین فاروقی صدر ادارہ علمی، حیدر آباد

نئی تزئین اور آب و تاب کے ساتھ رسالہ ماشاء اللہ بہت خوب ہے۔ ہر مضمون میں تنوع ہے اور افادیت بھی، احادیثِ نبوی دلنشین پیرایہ میں اور حسبِ حال، الجزائر کے متعلق انٹرویو تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کے لیے مشعلِ راہ۔ اسلامی تاریخ سے گمشدہ اوراق کا سلسلہ مناسب رہے گا۔

چودھری محمد ابراہیم۔ بھکر

تجدید پر ہدیۂ تبریک، بدلتے ہوئے عالمی تناظر اور ملکی حالات میں بہتر رہنمائی کی توقعات ہیں۔

---

پانچ رہائشی منصوبوں کی شاندار کامیابی کی حامل
اور آپ کے کامل اعتماد کی مظہر

# احباب ہاؤسنگ سوسائٹی (پرائیویٹ) لمیٹڈ

کے نئے رہائشی منصوبے



# شاداب کالونی

## فیروز پور روڈ لاہور

- جنرل ہسپتال سے تین کلومیٹر کے فاصلہ پر نشتر کالونی کے سامنے فیروز پور روڈ سے چار سو گز دائیں طرف ایک عظیم رہائشی منصوبہ ایل ڈی اے سے منظور شدہ۔ پلاٹ ایک کنال، ۱۰ مرلہ ۵ مرلہ۔
- کشادہ سڑکیں، خوبصورت پارکیں، مسجد، ڈسپنسری، سکول، مارکیٹیں، ٹیلیفون اور سوئی گیس کی سہولتیں موجود۔ سکول کالج اور بڑے ہسپتال قریب تر۔ ترقیاتی کام جاری ہیں۔
- پہلے آیئے پہلے پایئے کی بنیاد پر بکنگ جاری ہے۔ یکمشت ادائیگی پر ۵ فی صد رعایت۔

تین ہزار روپے فی مرلہ کے حساب سے ڈرافٹ بھیج کر بکنگ کرالیں۔ باقی رقم تین سال (۳۶ مہینوں) کی آسان قسطوں میں

قیمت ۲۰ ہزار روپے
فی مرلہ۔ ۳۱ مارچ ۹۳ تک بکنگ
کرانے پر ایک ہزار روپے فی مرلہ کی رعایت۔
جب کہ دوسری کالونیوں میں قیمت
۳۰ ہزار روپے فی مرلہ ہے خصوصی
رعایت سے فائدہ اٹھائیں

**شاداب کالونی اور گلشن احباب فیز II کے کمرشل پلاٹوں کی بکنگ کا اعلان**

شاداب کالونی فیروز پور روڈ کی اسعد گیلانی مارکیٹ
اور گلشن احباب فیز II مین مارکیٹ کے کمرشل پلاٹوں
کی بکنگ کا اعلان ہو گیا ہے۔ مزید معلومات کے لیے پمفلٹ مفت منگوائیں۔

پہلے آیئے پہلے پایئے

تحریک اسلامی سے وابستہ افراد کا بااعتماد ادارہ

**احباب ہاؤسنگ سوسائٹی (پرائیویٹ) لمیٹڈ**

شریف چیمبر 68 مزنگ روڈ لاہور فون 6361501-6366005-304754 فیکس 6369520

احباب پارک
ملتان روڈ لاہور

گلشن احباب
فیز I ملتان روڈ لاہور

گلشن احباب
فیز II نزد فیروز پور روڈ لاہور

منظر کوہسار
اسلام آباد

شاداب کالونی
فیروز پور روڈ لاہور

پانچ رہائشی منصوبوں کی شاندار کامیابی کی حامل اور آپ کے کامل اعتماد کی مظہر

# احباب ہاؤسنگ سوسائٹی (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اسلام آباد سے متصل مرگلہ ہلز کے
حسین دامن میں ایک نیا دلپذیر شہر

## منظر کوہسار

ترقیاتی کام جاری ہیں

ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ حکومت پنجاب اور ڈسٹرکٹ کونسل راولپنڈی سے منظور شدہ سڑکیں سیوریج، بجلی، پانی، سکول، کمیونٹی سنٹر، قبرستان مسجد اور ہسپتال، خوبصورت جھیل

۳۱ جولائی تک رعایتی قیمت پر
سولہ ہزار روپے فی مرلہ بمعہ ترقیاتی اخراجات
باقی رقم تین سال کی قسطوں میں،
تین ہزار روپے فی مرلہ کا ڈرافٹ بھیج کر بکنگ کرالیں پلاٹ ۲ کنال ۱۰ مرلہ ۵ مرلہ۔ کنال = ۶۰۰ مربع گز
خصوصی رعایت سے فائدہ اٹھائیں۔

فیروز پور روڈ پر چونگی امر سدھو سے ۲ کلومیٹر
ایل ڈی اے سے منظور شدہ

## شاداب کالونی

کشادہ سڑکیں، خوبصورت پارکیں، مسجد، ڈسپنسری، سکول، مارکیٹیں، ٹیلیفون اور سوئی گیس کی سہولت موجود۔ سکول کالج اور بڑے ہسپتال قریب تر ترقیاتی کام جاری ہیں۔ کنال = ۵۰۰ مربع گز

قیمت ۲۰ ہزار روپے فی مرلہ بمعہ ترقیاتی اخراجات
ایک ہزار روپے فی مرلہ کی رعایت
۳۱ جولائی تک بڑھا دی گئی ہے۔
۳ ہزار روپے فی مرلہ کے حساب سے بکنگ کرالیں
باقی رقم تین سال کی آسان قسطوں میں
پمفلٹ مفت منگوائیں۔

گلشن احباب فیز II نزد فیروز پور روڈ میں پلاٹوں کی بکنگ جاری ہے

شاداب کالونی فیروز پور روڈ میں کمرشل پلاٹوں کی بکنگ جاری ہے

تحریک اسلامی سے
وابستہ افراد کا با اعتماد ادارہ

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی پرائیویٹ لمیٹڈ

شریف چیمبر 68 مزنگ روڈ لاہور فون 6361501-6366085-304754 فیکس 6369520

REGD. NO. L 5340
PHONE : 7234014
7236665
MONTHLY TARJUMAN-UL-QURAN LAHORE


# ELIMINATION OF RIBA FROM THE ECONOMY

- WHAT IS RIBA?
- WHAT ARE ITS DIFFERENT FORMS?
- CAN ECONOMY SURVIVE WITHOUT RIBA?
- WHAT SHOULD BE THE STRATEGY TO EVOLVE A RIBA-FREE SYSTEM?

**Yes!** This 425-page book discusses all the relevant issues:

- Riba Definition
- Commercial Banking
- Central Banking
- Government Transactions
- Inflation and Indexation
- Mudaraba
- International Transactions
- Legal Framework
- Issue of Self-reliance
- Contemporary Experiences......

Latest from

INSTITUTE OF POLICY STUDIES

Rs. 300

Distributor: **BOOK PROMOTERS**

NASR CHAMBERS, BLOCK 19, MARKAZ F-7, ISLAMABAD
TEL: 823094, FAX: 824704